گفتگو - ۷

16-42

واصف علی واصف

واصف علی واصف

گفتگو - ۷

کاشف پبلیکیشنز
۳۰۱-اے، جوہر ٹاؤن ○ لاہور

84132

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... گفتگو۔۷
مصنف .... واصف علی واصف
سن اشاعت ۲۰۰۰ء
قیمت .... Rs 200
ناشر .... کاشف محمود

ناشر:
کاشف پبلی کیشنز
۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور، فون: ۵۳۰۰۴۳۸

ڈسٹری بیوٹرز: خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

درِ عطا پہ ہوں میں آخری سوال مگر
اسی سوال کا اک آخری جواب ہوں میں

(واصف علی واصفؒ)

عرضِ ناشر

دین کے یومِ تکمیل سے لے کر آج کے زمانے تک کئی صدیوں بعد تک کا فاصلہ طے ہو چکا ہے اور تب سے لے کر اب تک علم کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی اور اللہ کی ذات سے متعارف کراتا رہا ہے۔ ہر صاحبِ علم نے اپنے زمانے کے لوگوں کو اس زمانے کے مجموعی شعور اور مجموعی ذہانت کے درجے کے مطابق علم دیا۔ انہوں نے علم کو ایک دِقّت بنانے کی بجائے اسے لوگوں کی سہولت' عافیت اور سکون کا ذریعہ بنایا۔ جب واصف صاحبؒ کا زمانہ آیا تو یہ دَور پچھلے تمام ادوار سے زیادہ مشکل دَور تھا کیونکہ اس دَور کے مسلمانوں پر ان گنت اِزم' افکار اور نظریات کی یلغار تو تھی ہی مگر سب سے مشکل پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں کے اپنے اندر غلط فہمی' کم فہمی اور کم علمی کی وجہ سے فرقے در فرقے بنتے چلے گئے' جس سے اس دَور کا مسلمان یا تو اللہ سے دُور ہوتا گیا یا پھر اللہ کے بارے میں الجھاؤ اور کنفیوژن کا شکار ہونے لگا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنوں میں سوال در سوال پیدا ہوتے گئے۔ پھر جب یہ سوال لے کر لوگ واصف صاحبؒ کے پاس پہنچے تو انہیں نہ صرف اپنے سوال کا جواب ملا بلکہ ان کے اندر اپنی اور اپنے اللہ کی پہچان پیدا ہونے لگی۔ یہ وہ علم تھا جس کی چکا چوند سے اندھیروں میں ایک نئی روشنی پیدا ہوئی' نئے راستے نظر آئے اور عمل کا ایک نیا دروازہ کھلا۔ پھر تو لوگ جوق درجوق اپنے سوال لے کر واصف صاحبؒ کی محفل میں شامل ہوا کرتے اور ان کے جواب سے تشفّی پاتے۔ انہی محفلوں کے احوال پر مشتمل چھ کتابیں پہلے ہی پیش کی جا چکی ہیں جنہیں علم اور عرفان کے متلاشیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس سلسلے کی ساتویں جلد اب پیشِ خدمت ہے۔

ادارہ یہ امید رکھتا ہے کہ قارئین اپنی رائے اور تجاویز کے ذریعے ہم سے ضرور رابطہ رکھیں گے۔

فہرست

(۱)

۱ علمِ نافع یا نفع بخش علم کی کیا تعریف ہے؟ ۱۵
۲ عملی زندگی کے لیئے بھی تو علم کی ضرورت ہے؟ ۲۳
۳ کچھ سوال تو خلوت میں پوچھنے والے ہوتے ہیں' وہ یہاں ہم کیسے پوچھ سکتے ہیں؟ ۲۸
۴ آج کل اتنی مصروفیات ہیں کہ اللہ کے لیئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے؟ ۲۹
۵ کیا نماز میں کوئی تصور کر کے نماز پڑھنی چاہیئے؟ ۳۰
۶ اللہ کے راستے پر چلنا اور کامیاب ہونا بہت مشکل ہے' پھر ہم کیا کریں؟ ۳۲
۷ انسان چاہتا ہے کہ امتحان کا نتیجہ معلوم ہو جائے تو کیا اللہ کے راستے میں ایسا ہو سکتا ہے؟ ۳۳
۸ ہم صحیح اور غلط کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ۳۶
۹ آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی دعا نہیں مانگنی چاہیئے اِس بارے میں فرمائیں؟ ۳۷
۱۰ غیر مذاہب والے تو بڑے منظم طریقے سے کام کرتے ہیں' ایسے میں ہم مسلمان کیا کریں؟ ۳۹

(۲)

۱ موجودہ دور میں رشتوں کی اذیّت سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ ۴۷
۲ جو لوگ ہمیں اذیّت دیتے ہیں کیا ہم انہیں اس کا جواب نہ دیں؟ ۵۸
۳ کیا ظالم کو طاقت کے ذریعے ظلم سے نہیں روکنا چاہیئے؟ ۶۰
۴ جو لوگ ایسے اداروں میں کام کرتے ہیں جہاں سود ہے تو ایسے لوگوں کے لیئے کیا حکم ہے؟ ۶۶
۵ سر! دانشِ نورانی کی وضاحت فرمادیں؟ ۶۶
۶ اللہ اور اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقام میں کیا فرق ہے؟ ۶۸
۷ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ دل میں اللہ اور اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت پیدا ہوگئی ہے؟ ۷۱

(۳)

۱ انسان بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہوتا جاتا ہے، ایسے میں وہ اسلام پر کیسے عمل پیرا رہ سکتا ہے؟ ۷۵

۲ اللہ تعالیٰ اپنا علم براہِ راست دیتا ہے یا کسی بندے کے
ذریعے دیتا ہے؟ ۸۱
۳ جب مانگے بغیر ہی ملنا ہے تو پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ ۹۴
۴ کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ محبّت میں صحیح جا رہا ہے؟ ۹۷
۵ کیا انسان خیال پر کنٹرول کر سکتا ہے؟ ۱۰۳
۶ اس کی کیا نشانی ہے کہ انسان کا انتظار صحیح ہے؟ ۱۰۶
۷ کیا دنیاوی کاموں میں بھی انتظار کرتے رہنا چاہیئے؟ ۱۱۰

(۴)

۱ یہ جو اقبال نے کہا تھا یہ دانائے راز کیا ہوتا ہے؟ ۱۱۳
۲ علم اور آگہی کی کوئی بات سنیں تو ذمّہ داری بڑھ
جاتی ہے۔ ایسے میں ہم کیا کریں؟ ۱۲۳
۳ یہ جو اتنی ڈھیر ساری تفسیریں ہیں‘ یہ سب کیا ہے؟ ۱۲۴
۴ ہم کس بات کا انتخاب کریں اور کسی مزار پر جا کر
ہم کیا کریں؟ ۱۲۵
۵ اس سفر میں تو ہماری ابتداء ہے....؟ ۱۲۸
۶ اگر ہم صرف اللہ اللہ کرتے جائیں تو بازاروں کی
رونق تو بند ہو جائے گی۔ پھر ہم کیا کریں؟ ۱۲۹
۷ کیا آپ کے ذہن میں ہماری عملی روحانی تربیّت کا بھی

کوئی پروگرام ہے؟ ۱۳۰
۸ آپ کی ہر بات پر ہم عمل کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن اصل میں ہم کیا کریں؟ ۱۳۳
۹ اگر مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو یہ بے ادبی تو نہیں؟ ۱۳۵
۱۰ کیا استعداد میں اضافہ ممکن ہے؟ ۱۳۷
۱۱ دوسروں کو مرعوب کرنے کی خواہش کیسی ہے؟ ۱۳۸

(۵)

۱ عزت اور ذلت کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ۱۴۷
۲ آپ نے فرمایا ہے کہ اہلِ مزار کے درجات بڑھتے رہتے ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے؟ ۱۵۸

(۶)

۱ جس طرح انسان پرورش پاتا ہے کیا اسی طرح رُوح بھی بڑھتی ہے؟ ۱۶۳
۲ کیا تزکیۂ نفس اور رُوح کی تلاش ایک چیز ہے؟ ۱۷۵
۳ کیا انسان روح کی دریافت میں جلد باز ہے؟ ۱۷۷
۴ خیال کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ ۱۸۲
۵ انسان جو محنت اور وظیفہ کرتا ہے، اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو کیا وہ ضائع ہو جاتے ہیں؟ ۱۹۱

۶ یقین میں تذبذب کیا چیز ہے؟ ۱۹۴

(۷)

۱ جس گناہ کی اللہ سے معافی مانگ لی جائے اس کا کیسے
پتہ چلے گا کہ معافی ہو گئی ہے؟ ۱۹۹
۲ زندگی میں تو بے شمار مسائل کا سامنا ہے' پھر
اللہ سے رجوع کیسے کریں؟ ۲۱۹

(۸)

۱ تلاشِ حق کیا ہے اور حق کے مسافر کے لیے بیعت
کیوں ضروری ہے؟ ۲۷۷
۲ کیا مشیتِ ایزدی کبھی حق تلفی کر کے بھی انسان کے
درجے بڑھا دیتی ہے؟ ۲۳۶
۳ امام حسینؓ کو حق حاصل تھا کہ وہ خلیفۂ وقت بنتے لیکن
وہ شہید ہو گئے۔ ۲۳۶
۴ آج کل یہ جو بیعت کم ہو گئی ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ ۲۴۵
۵ محبت اور عقیدت میں کیا فرق ہے؟ ۲۵۱

۱

۱ علمِ نافع یا نفع بخش علم کی کیا تعریف ہے؟

۲ عملی زندگی کے لیئے بھی تو علم کی ضرورت ہے؟

۳ کچھ سوال تو خلوت میں پوچھنے والے ہوتے ہیں، وہ یہاں ہم کیسے پوچھ سکتے ہیں؟

۴ آج کل اتنی مصروفیات ہیں کہ اللہ کے لیئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے؟

۵ کیا نماز میں کوئی تصور کر کے نماز پڑھنی چاہیئے؟

۶ اللہ کے راستے پر چلنا اور کامیاب ہونا بہت مشکل ہے، پھر ہم کیا کریں؟

۷ انسان چاہتا ہے کہ امتحان کا نتیجہ معلوم ہو جائے تو کیا اللہ کے راستے میں ایسا ہو سکتا ہے؟

۸ ہم صحیح اور غلط کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

۹ آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی دعا نہیں مانگنی چاہیئے اس بارے میں فرمائیں؟

۱۰ غیر مذاہب والے تو بڑے منظم طریقے سے کام کرتے ہیں، ایسے میں ہم مسلمان کیا کریں؟

سوال :۔

علمِ نافع یا نفع بخش علم کی تعریف کیا ہے؟

جواب :۔

وہ علم جو عقیدے کے بغیر بھی چل سکتا ہو' وہ نفع بخش نہیں ہو سکتا۔ اب آپ دیکھیں کہ بلڈنگ ڈیزائن کرنے والے کے کام میں عقیدہ شامل نہیں ہے۔ یہ نفع بخش نہیں ہو گا۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو علم اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کی طرف سے آئے تو پھر یہ علمِ نافع ہو گا۔ جو علم آپ کو اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کے قریب رکھے وہ نافع ہو گا۔ جو ایک کافر علم حاصل کر سکتا ہے مثلاً" میڈیسن ہے یا ریسرچ ہے' یا کائنات کے راز معلوم کرنے کا علم ہے تو اللہ نے خود کہا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو تلاش کرو۔ یہ عقیدے کے بغیر والا بھی کر سکتا ہے۔ اگر عقیدے کے بغیر یہ علم ہے تو اللہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تو ثابت یہ ہوا کہ راز کی دریافت سے پہلے ایک راز ہوتا ہے اور راز کو معلوم کرنا تحقیق کہلاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جسم کیا ہے' جگر کیا ہے' اس کا فنکشن کیا ہے'

ہارٹ کیا ہے، ہارٹ فیل کیا ہے اور ہارٹ بریک کیا ہے۔ تو یہ ساری ریسرچ ہے، یہ سارا علم ہے لیکن یہ علمِ نافع نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس میں خالق کا ذکر نہیں ہے۔ یہ باہر کی ریسرچ ہے اور اندر کی ریسرچ اور ہے جسے مذہب کے حساب سے دیکھیں گے کہ Why has man come to this world انسان اس دنیا میں کیوں آیا ہے؟ کس کے لئے آیا ہے؟ اس دنیا کو چلانے والا کون ہے اور انسان کا End کیا ہے، عاقبت کیا ہے، اس زندگی کے اندر انسان کو کس نے بھیجا، وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ اس نے کتنے دلوں کو توڑا؟ یہاں سے Return کون کرائے گا؟ کیا وہی ہستی واپس بلائے گی جس نے یہاں بھیجا ہے؟ اگر بھیجتا ہے تو واپس کیوں بلواتا ہے؟ واپس بلواتا ہے تو بھیجا کیوں تھا؟ پھر یہ سب شور کیا ہے، سارا مائنڈ کیا ہے اور پھر Feelings کیا ہیں، احساسات کیا ہیں، غم کیا ہے، خوشی کیا ہے، عقیدہ کیا ہے اور عقیدے کے بغیر کیا صورت حال ہے؟ وہ کام جو عقیدے کے بغیر ہو جائیں علمِ نافع نہیں کہلائیں گے۔ پھر علمِ نافع کیا ہوا؟ وہ علم جو آپ کو آپ کے مستقبل بعید کی منزل بتائے۔ وہ علم بتائے گا کہ آخرت کیا ہے اور انجام کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو فرائض آپ کے ذمّے لگائے ہیں ان کا علم، علمِ نافع کہلائے گا۔

اللہ نے فرمایا ہے الھکم التکاثر مطلب یہ ہے کہ کثرت ہر آدمی کی خواہش ہے۔ علم حاصل ہونے کی کثرت کی خواہش اچھی ہے۔ مگر یہ بھی علم ہے کہ بینک کیا ہے، بینک میں مال کیسے جمع کیا جاتا ہے اور مال میں اضافہ کیسے ہوتا ہے۔ یہ علم تو ہے مگر علمِ نافع نہیں ہے کیونکہ جمع کرنے سے انسان غافل ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ الھکم التکاثر

حتّٰی زرتم المقابر یعنی "غافل کر دیا تمہیں کثرت نے حتیٰ کہ تم قبروں میں جا گرے"۔ تو کثرت کا علم تو ہوتا ہے ۔ن وہ غافل کرنے والا علم ہے، حتیٰ کہ وہ علم حاصل کرنے والا قبر میں جا گرتا ہے۔ قبر کا ایک معنی Nothing بھی ہے یعنی ختم ہو جانا۔ اس لئے کافر کی بھی قبر ہے کیونکہ وہ Nothing ہو جاتا ہے اور جب نہ ہونے کے بعد اس نے ہونا ہے تو وہ قبر دوبارہ آ گئی۔ تو قبر وہ عرصہ ہے جو ہونے کے بعد دوسری مرتبہ ہونا ہے۔ تو علمِ نافع کیا ہو گا؟ جو آپ کو آپ کے Master یعنی آقا کی طرف سے فرائض سے آگاہ کرے۔ اگر آپ کے مالک کی طرف سے، Creator کی طرف سے، خالق کی طرف سے علم ہو اور عقیدے کے ساتھ ہو تو وہ نافع علم ہے۔ وہ علم جس سے آپ کی زندگی کا فنکشن یا عمل عقیدے کی سلامتی کے ساتھ چلے تو وہ علمِ نافع کہلائے گا۔ اس لئے یہ دُعا کی گئی ہے کہ یا اللہ ہم پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو نفع نہ دے۔ اب یہاں ایک بات پر آپ ذرا غور کرو تو علمِ نافع تعلیم نہیں ہے بلکہ اور علم ہے، جب میڈیسن نہیں آئی تھی تو اس وقت طب تھی، حکیم صاحب نے نبض کو دیکھا اور بتا دیا، مریض کی جان بچائی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ مگر اصل حکمت کیا ہے؟ بیماری کی منشاء کو پہچاننا۔ بیماری اصل میں وہ ہوتی ہے جب عزرائیل کے آنے کا ٹائم ہو۔ جاننے والے اس وقت دخل نہیں دیتے اور جب مریض کو وہ خطرناک بیماری نہیں ہوتی تو جاننے والے اس کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں، تم ٹھیک ہو جاؤ گے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیچھے عزرائیل نہیں ہے۔ تو یہ علم جو ہے علمِ نافع ہوتا ہے۔ تو علمِ نافع کیا ہوتا ہے؟ جس میں

اللہ کی رضا کی پہچان ہو۔ اگر رضا کی پہچان نہیں تو وہ علمِ نافع نہیں ہے اور آپ جو تعلیم حاصل کرتے رہتے ہیں، یہ نافع نہیں ہے کیونکہ جو پیسہ جمع کرنے کا علم ہے یعنی تعلیم کے ذریعے پیسہ جمع کرنا Function of life یعنی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ فرعون نے پیسہ جمع کیا، سلطنت بنائی اور آپ کہتے ہیں کہ یہ لعنت والی بات ہے۔ اور ابلیس نے باغی ہو کے Almost next to Allah اپنی طرف سے بادشاہی بنا لی مگر یہ نقصان والا علم ہے، بغاوت کا علم ہے۔ آپ نے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے، وہ جن چیزوں کے ساتھ تعارف کرواتی ہے، آپ کو تو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں ہو گی۔ لہٰذا صرف تعلیم ہی علم نہیں ہے۔ اب دنیا کے اندر سمجھنے والی یہ ضروری بات ہے کہ دنیا کے اندر علم رکھنے والے لوگ اکثر تعلیم سے باہر تھے۔ اللہ میاں نے ان کو اپنی طرف سے علم دیا۔ غالب نے کوئی ایم۔ اے نہیں کیا، کسی یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لیا۔ وارث شاہؒ کے بغیر پنجابی کا ایم اے نہیں ہو سکتا اور وارث شاہؒ خود بی۔ اے پنجابی نہیں تھے۔ اس کے پاس پنجابی تعلیم نہیں تھی بلکہ پنجابی کا علم تھا۔ شیکسپیئر جو ہے وہ دوسری جماعت میں سکول سے بھاگ گیا تھا۔ بھاگا بھاگا جا کے سٹیج کے اندر چلا گیا، وہاں پہ پردہ اٹھانے کا کام کرنے لگا۔ چلتے چلتے اس نے ایک ڈرامہ لکھا، پھر دوسرا ڈرامہ لکھا۔ پھر چھتیس ڈرامے لکھے، پھر افسانے لکھے اور پھر نظمیں لکھیں۔ پھر دنیائے تھیٹر میں شیکسپیئر نے وہ کردار پیش کئے کہ شاید نیچر میں کوئی کردار ایسا نہیں رہ گیا جو اس کے ڈرامے میں نہ ہو۔ تو یہ تعلیم نہیں ہے بلکہ علم ہے۔ اسی طرح ایک آدمی تھا جسے آپ ارسطو کہتے ہیں، اس کے پاس علم تھا لیکن تعلیم نہیں

تھی' تو ابتدائی طب کا علم اس کے پاس تھا جس کے پاس تعلیم نہیں تھی۔ تو ابتدائی طب کس کے پاس ہے؟ جس کے پاس تعلیم نہیں ہے۔ تو علم کے بعد تعلیم جو ہے' اسی علم کی تصویر کا دوسرا نام ہے اور وہ علم بغیر تعلیم کے ملتا ہے۔ تو ثابت کیا ہوا؟ معلمِ کائنات دنیاوی تعلیم کے علاوہ بھی ہو سکتے ہیں اور وہ علم جو اس معلمِ حقیقی کی تعلیم سے حاصل ہو اور ہدایت کے ساتھ ہو تو یہ علمِ نافع ہے۔ تو علم کیا ہے؟ جس میں عقیدے کا ہونا برحق ہے اور لازمی ہے۔ عقیدے کے بغیر جو علم ہے' وہ نافع نہیں ہو گا چاہے وہ علم Useful کہلاتا ہو' بظاہر نفع دینے والا ہو۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے بڑا نفع ترک کر کے چھوٹے نفع پہ زندگی کو قربان کر دیا اور یہ تجارت خسارے کی ہو گی۔ تو خسارے کی تجارت یہ ہے کہ مثلاً" آپ نے اپنی زندگی کے یہ سال اچھے گزار لیئے اور آگے آپ نے کروڑوں سال کہاں گزارنے ہیں۔ اگر آگے کا نہ سوچا تو پھر آپ کے اعمال تو ضائع ہو گئے اور تجارت خسارے میں چلی گئی۔ چاند پر جانا کائنات کی تسخیر نہیں ہے یا مریخ کو پہچاننا تسخیر نہیں بلکہ مشیت کو پہچاننا تسخیر ہے۔ اسی طرح آپ نے سورج کو دیکھا تو وہ بڑا خوب صورت لگا مگر آپ نے کہا کہ ہم اس سورج کی پرواہ نہیں کرتے' سورج کو بنانے والے نے کروڑہا سورج بنائے ہیں' وہ اتنی بڑی اور وسیع کائنات بنانے والا ہے کہ نہ اس کی وسعت کا حساب ہے اور نہ اس کی باریکیوں کا حساب ہے' جسم میں ملین کے حساب سے لمبی شریانیں ہیں اور ان میں خون دوڑا جا رہا ہے۔ تو یہ اس" العلیم اور" الحکیم ذات کا علم ہے' اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علمِ نافع کہلاتا ہے۔ باقی کا علم تعلیم ہے اور

ریکارڈ ہے۔ اوریجنل اور اصلی علم دینے والے تعلیم سے آزاد ہوتے ہیں۔ تو وہ علم جاننے والے کہتے ہیں کہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا اور وہی تو جانتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ سقراط سے کسی نے کہا کہ تو بڑے آرام سے زہر پی رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں Enjoy کر رہا ہوں' مزے لے رہا ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ کے لئے رہ جانا ہے اور تم لوگوں کا نام و نشان بھی نہیں رہے گا اور وہ واقعی رہ گیا کیونکہ اس کے پاس سولی پہ چڑھ جانے کا علم تھا' کسی اور کو یہ پتہ نہیں تھا۔ اب فتح یزید کی ہوئی ہے یا فتح امام حسینؑ کی ہوئی ہے۔ یزید کی فتح شکست کا نام ہے' اور امامؑ کی شکست فتح کا نام ہے۔ اگر آپ یہی بات سمجھ جائیں کہ نفع کس کو ہوا تو پھر آپ کو ساری منطق معلوم ہو جائے گی کہ نافع علم کیا ہوتا ہے۔ بظاہر تو یزید کو نفع ہوا لیکن آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ آج خود کہتے ہیں کہ علمِ نافع کس کے پاس ہے یعنی امام عالی مقامؑ کے پاس ہے۔ تو علمِ نافع یہی ہے۔ علمِ نافع یہ ہے کہ جان دے کر جان بچا لینا۔ تو یہ ہے علمِ نافع۔ علمِ نافع یہ ہے کہ سارا مال تقسیم کرو اور پھر تم سخی بن جاؤ گے۔ اگر اللہ کے راستے میں آپ محتاج ہو جائیں تو پھر سخی کہلائیں گے حالانکہ محتاج سخی کبھی نہیں ہوتا۔ تو یہ علمِ نافع ہے۔ علمِ نافع دُعا کا علم ہے' رُوح کا علم ہے' خیال کا علم ہے' مشیّت کا علم ہے' بزرگانِ دین کے قریب رہنے کا علم ہے' اپنی قبر کو پہچاننے کا علم ہے' یہ جاننا ہے کہ جب چھوڑ ہی جانا ہے تو جمع کیا کرنا ہے۔ علم یہ ہے کہ یا تو آپ چھوڑ دیں ورنہ آپ نے ضرور چھوڑ جانا ہے۔ تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ نے کیا حاصل کیا' کیا بنایا اور کیا نہ بنایا' جس کو بچانا تھا اگر آپ اس کو بچا نہ سکے تو

آپ نے کیا بچایا؟ آپ تو پیسہ بچاتے رہے ہیں جو کہ آپ کے کام نہیں آیا حالانکہ جان بچانا تھی اور وہ آپ بچا نہ سکے، بیماری سے نہیں بچ سکے، کمزوری سے نہیں بچ سکے، اور موت سے نہیں بچ سکے۔ یہاں پر یا تو باپ بیٹے کو روئے گا یا بیٹا باپ کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ تو باپ بیٹا دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو رونا ہے اور ایک بھائی نے آ کر دوسرے کو رونا ہے۔ ایک نہ ایک دن ان ہونی نے ہو جانا ہے۔ اس لیۓ آپ اس اصل علم کو پہچانیں۔ جب تک یہ علم نہ آیا آپ کے پاس صرف تعلیم ہی رہے گی اور آپ کی تعلیم خسارے کی ہے۔ تو نافع علم کیا ہوا؟ اصلی راز کو پہچاننا اور اصلی شخص کو پہچاننا، یہ پہچاننا کہ اس کے پیچھے مصلحت کیا ہے اور واقعات کیا ہیں۔ یہ آپ روز دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کو غریبی میں آسائش ہے اور دوسرے کو دولت کے اندر پریشانی ہے مگر دنیا دولت کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور پریشان ہے۔ ایک آدمی تو سکون سے ہوتا ہے اور دوسرا تخت پر بیٹھا ہوا سسکیاں بھرتا رہتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کی حکومت ختم نہ ہو جائے اور داتا صاحبؒ کو دیکھیں تو ہر دور ہی ان کا ہے۔

نہ بدلی ہے نہ بدلے گی حکومت میرے داتاؒ کی

ان کی حکومت میں کوئی Change نہیں ہے، کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ وہ ایسا نافع علم ہے جس سے آپ ہمیشہ فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے موت کو مسخر کر لیا ہے، وہ کامیاب زندگی کا حوالہ ہیں۔ تو نافع علم وہ جو آپ کے عقیدے کے ساتھ چلے اور عقیدہ محفوظ ہو جائے۔ ڈاکٹر کا علم بھی علمِ نافع بن سکتا ہے اگر وہ یہ سوچ کر مریض کا

علاج کرے کہ میں اللہ کی رضا کے لیئے یہ سب کر رہا ہوں، اللہ کی مشیت کے مطابق کر رہا ہوں، کیونکہ اللہ نے اس کو بچانا ہے اس لیئے وہ اس کو میرے ذریعے بچا رہا ہے۔ تو یہ مشیّت کا علم ہے اور علمِ نافع ہے۔ اگر علاج میں صرف پیسے کمانے کا علم ہے تو پیسہ تو ان لوگوں کے پاس وافر ہے جن کے پاس عقیدہ نہیں ہے۔ تو علمِ نافع یہ ہے کہ مشیّت کو پہچانا جائے اور عاقبت کو پہچانا جائے۔ تو عاقبت کے حوالے سے علم حاصل کرنا علمِ نافع ہے اور دنیا کے حوالے سے علم حاصل کرنا دنیاوی علم ہے۔ وہ چیز جو فانی نتیجہ دیتی ہے اس کا علم نافع نہیں ہے اور وہ علم جو باقی کا نتیجہ دیتا ہے وہ علمِ نافع ہے۔ باقی اور فانی کا فرق تو آپ سمجھتے ہوں گے۔ مثلاً" مکان فانی ہے اور جو نیکی ہے اور خیرات ہے، وہ فانی نہیں۔ اس لیے وہ علمِ نافع ہے جس کا حوالہ بقاء کے ساتھ ہو مثلاً" اللہ کی راہ میں جان دینا باقی ہو جاتا ہے۔ جان تو وہ بھی دیتا ہے جو اللہ کی راہ میں نہیں ہوتا یعنی مرا تو وہ بھی ہے مگر وہ فانی ہے اور جو فیلڈ میں مرا، وہ اور ہے۔ اس کا علم، علمِ نافع ہے! اب آپ یہ جائزہ ضرور لیں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں یہ کس حصول کے لیئے کر رہے ہو؟ اگر حصول کوئی ایسا کام ہے جو دنیا کے حوالے سے ہے تو پھر اس علم سے جتنا جلدی نجات پائیں بہتر ہے۔ مثلاً" پیسہ کمانا ہے تو اگر پیسے کمانے کے اندر آپ کا ارادہ اللہ نہیں تو یہ فانی ہے اور اگر پیسہ کسی نیکی میں یا دین کی راہ میں آپ نے خرچ کرنا ہے تو وہی پیسہ کمانا بامراد ہو جاتا ہے۔ آپ پیسہ اپنی انا کی تسکین کے لیئے جمع کر رہے ہیں تو پھر یہی فنکشن خراب ہو گیا۔ ہر کام بیک وقت نیک بھی ہو سکتا ہے اور بد بھی ہو سکتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ

84132

اس کے پیچھے کیا چیز ہے یعنی آپ کی Intention کیا ہے، نیّت اور ارادہ کیا ہے۔ اگر نیّت اور ارادہ عاقبت ہو تو وہی کام نیکی ہو جاتا ہے۔ اگر نیّت اور ارادہ صرف دنیا ہو تو پھر عبادت بھی فانی ہے اگر آپ کا نیک ہونا شہرت کے لیئے ہے، آپ کی عبادت شہرت کے لیئے ہے تو سمجھو یہی عبادت حجاب ہے۔ اگر آپ کی عبادت آخرت کی تمنّا کے لیئے ہے تو پھر یہ آپ کے لیئے علمِ نافع ہے۔

سوال :۔

پریکٹیکل لائف یعنی عملی زندگی کے لیئے بھی تو علم کی ضرورت ہے؟

جواب :۔

آپ جسے پریکٹیکل لائف کہہ رہے ہیں اس کا ایک فنکشن ہے، وہ ایک پیشہ ہے، نوکری ہے اور کاروبار ہے۔ جسے آپ پریکٹیکل لائف کہتے ہیں یہ وجود کی Preservation کے لیئے ہے، جسم اور رُوح کو زندہ رکھنے کے لیئے ہے تاکہ زندگی قائم رہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ زندگی قائم رہے تو اس کا آپ علم حاصل کرتے ہیں اور پھر تعلیم حاصل کرتے ہیں، یا کام کرتے ہیں۔ پہاڑ ہمیشہ قائم رہتا ہے لیکن نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے۔ آسمان ہمیشہ قائم رہتا ہے اور نہ تو وہ مسلمان ہے اور نہ کافر۔ مگر آپ جمادات اور حیوانات تو نہیں ہیں۔ مثلاً" پتھر کا علم ہے، دھات کے زمانے سے پہلے پتھر کا زمانہ تھا۔ پتھر تو مرتا نہیں ہے چاہے وہ ٹوٹتا جائے اور بجری بن جائے، پھر بھی اس کا وجود قائم رہتا ہے۔ وہ انسان

جو پریکٹیکل لائف کا علم حاصل کر رہا ہے اس کو یہ علم پتھر بنا دے گا" سنگ بنا دے گا بلکہ خشت و سنگ بنا دے گا۔ علم وہ ہوتا ہے جو ہر زمانے کے ساتھ اور گزرتے زمانوں کے ساتھ آپ کے اندر شعور قائم رکھے چاہے آپ دنیا سے رخصت بھی ہو جائیں مثلاً" ایک درویش کو ہی دیکھ لیں' وہ زندگی میں بھی لوگوں کو شعور دیتا ہے اور دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی لوگوں کو شعور دیتا رہتا ہے' شعور کی تلاش میں لوگ خانقاہوں پر جاتے ہیں اور انہیں شعور ملتا ہے۔ تو ایسا شخص موت سے آزاد ہوتا ہے جس کے مزار پر بیٹھنے سے شعور ملتا ہے' وہاں بیٹھنے سے خیال بدل جاتا ہے اور خیال کا بدل جانا ہی ان کا فیض ہوتا ہے۔ یعنی پہلے خیال کچھ اور ہوتا ہے' پھر مزار پہ جا کے بیٹھنے سے خیال اور ہو جاتا ہے۔ مزار پہ جا کے ایک شخص بیٹھا تو اسے یہ خیال ملا کہ

چھڑا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

تو خیال کا آ جانا جو ہے یہی احسان ہوتا ہے اور مہربانی ہوتی ہے۔ اگر حیواناتی علم ہے' اور پتھر کا علم ہے' تو آپ کی Sensibility یا احساس جہاں پر مجروح ہو جائے وہاں آپ یہ دیکھیں کہ اس علم نے آپ کو نقصان پہنچایا جو آپ حاصل کر رہے ہیں؟ تو آپ کی Realization یعنی حقیقت شناسی' Sense یعنی احساس اور احساس کی Sublimity یعنی تصعید ہو جانا ہی اصل علم ہے۔ تو اس علم کے ذریعے آپ Sublime ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان اپنے اصل یعنی مٹی کو بھی پہچان لیتا ہے' پھر اپنے مالک کو پہچانتا ہے' اپنے خالق کو پہچانتا ہے اور اپنے رازق کو پہچانتا ہے۔ اگر آپ نے یہ پہچانا کہ تنخواہ دینے والی فیکٹری آپ کی

رازق ہے تو پھر تو آپ مارے گئے کہ زندگی بیچ کر زندگی گزار رہے ہیں مگر ایمان ضائع کر دیا، آپ نے اپنے بارہ گھنٹے بھی بیچ دیے، محنت بھی کی اور محنت کے بعد عذاب بھی خرید لیا۔ کبھی رشوت کا عذاب اور کبھی ملاوٹ کا عذاب خود خرید لیا۔ تو آپ دنیاوی ضروریات کا علم ضرور حاصل کریں لیکن یہ خیال رہے کہ کہیں اس علم اور عمل کے بعد آپ کی عاقبت ضائع نہ ہو۔ اس علم کے ذریعے آپ بیوی بچوں کی خدمت کریں، مریضوں کی خدمت کریں اور دوسروں کی خدمت کریں مگر یہ خیال رہے کہ یہ خدمت اللہ کے آگے جواب دہ ہے۔ اگر آپ اللہ کے آگے جواب دہ ہیں تو یہ نیکی ہے اور اگر جواب دہ نہیں ہیں تو یہ غلطی ہے، آپ کی نیکی بھی رد ہو جائے گی۔ اس لئے آپ اپنی Sensibility کو، احساس کو قائم رکھیں، محفوظ رکھیں۔ زندگی تو چلتی جا رہی ہے، آپ کے جو قواء غالب ہیں وہ مغلوب ہوتے جا رہے ہیں۔ بینائی کمزور ہوتی جا رہی ہے، پھر آپ کو کوئی چیز نظر آنا ختم ہو جائے گی، احساس معطّل ہو جائے گا، اور سارا کاروبار تباہ ہوتا جائے گا۔ افسوس ہے، اس آدمی پر جس نے بڑی محنت سے کوئی راستہ اختیار کیا، بڑی سخت محنت کی اور جب محنت کرنے کی عمر گزر گئی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی ساری محنت غلط ہو گئی، اب اس کے پاس نہ تو طاقت ہے، نہ ہمّت ہے اور نہ نیا راستہ چُننے کی صلاحیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس بڑھیا کی طرح نہ ہو جانا جس نے ساری عمر سوت کاتا اور آخر میں اسے الجھا دیا۔ آپ ساری عمر باریک سوت کاتتے کاتتے دن رات محنتیں کرتے ہیں، کتابیں پڑھتے ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں، دنوں کو محنت کرتے ہیں اور آخر میں خود

ہی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کیا کیا۔ ساری عمر کام کرتے رہے اور آخر میں پتہ چلا کہ وہ سب غلط تھا۔ اس لیئے آپ وہ راز معلوم کریں کہ آپ کا آج کا دن کسی اور دن سے ابتر ثابت نہ ہو اور آج کی بات کسی اور زمانے میں جاکر نقصان میں ظاہر نہ ہو۔ آج آپ خواہش کے پیچھے ایسے نہ بھاگیں جیسے مٹھائی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ ایک دن ایسا ہونا چاہیئے جب آپ خود ہی اپنا جائزہ لیں اور اپنی عاقبت کا سوچیں۔ یہ ضرور سوچیں کہ کیا آپ کی گزری ہوئی زندگی میں کوئی وقت ایسا تھا جب آپ نے سوچا تھا کہ وہ وقت کیسے گزر سکتا ہے اور پھر آج وہ وقت گزرا ہوا ہے۔ تو ایسے ہوتا ہے۔ جب وہ وقت تھا تو آپ نے کہا تھا کہ وہ کیونکر گزر جائے گا۔ کیا آج کا وقت جو ہے یہ نہیں گزر سکتا؟ وہ پرانا دن بھی تو نہیں گزر سکتا تھا' وہ رات بھی نہیں گزر سکتی تھی مگر اس کو گزرے ہوئے بھی زمانے ہو گئے۔ تو اسی طرح یہ گھڑی بھی گزر جائے گی اور پھر آپ کی یہ زندگی جو ہے یہ ساری ختم ہو جائے گی اور آپ سے پوچھا جائے گا کہ یہاں کتنے دن رہے تو آپ کہیں گے کہ ہم یہاں ایک، دو دن رہے ہیں' یہ تو بس کھانے پینے میں ہی ضائع ہو گئے۔ تو انہی دو چار دنوں کے اندر سارے کا سارا کھیل ختم ہو جائے گا اور آپ نے اس میں کرنا کچھ بھی نہیں۔ یہ معمولی سی بات ہے اور اس میں لمبے چوڑے شعور کی بات بھی نہیں' آپ جیسے پیدا ہوئے ہیں ویسے ہی بن کے مریں۔ یعنی کہ جس طرح معصوم پیدا ہوئے' اسی طرح معصوم بن کے مریں اور یہاں کا علم یہیں چھوڑ دیں' جو علم اٹھایا ہے آپ اسے یہاں چھوڑ دیں۔ ایسے بن جائیں As you were born تو اپنے آپ کو بچے جیسا کرلیں یعنی بچے

کی طرح معصوم کرلیں، جیسے آپ تھے۔ اگر آپ اتنا بھی نہ کرسکے تو پھر آپ نے کیا کیا۔ تو جو جن آپ کو یہاں چمٹے ہیں، ان کو آپ یہیں نکال دیں۔ اس لئے آپ ضرور سوچیں کہ آپ نے کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ What you have made of yourself یعنی آپ نے اپنے آپ کو کیا بنا دیا۔ There was a time ایک وقت تھا کہ آپ اچھے ہو سکتے تھے مگر آپ نہیں بن سکے۔ And now you can not تو اس میں کیا بات ہے؟ آپ برائی کے راستے کیوں تلاش کرتے رہتے ہیں، بدی کیوں تلاش کرتے ہیں۔ آپ تو جھوٹی شہرت تلاش کرتے ہیں اور مال دولت تلاش کرتے ہیں حالانکہ آپ نے پڑھا ہوا ہے کہ الھکم النکاثر حتی ذرتم المقابر تم دولت کی تلاش میں قبروں تک جا پہنچے۔ کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون پھر تم جان لو گے بلکہ تم ضرور جان لو گے۔ کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم پھر آپ اپنے علم یقین کے ساتھ جان لو گے کہ جہنم کیا ہے؟ ثم لترونھا عین الیقین جب آپ جہنم کو دیکھیں گے تو پھر آپ کو یقین ہو جائے گا کہ جو ہم کہتے تھے وہی صحیح تھا - ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم اس دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ نعمتیں دینے والے کی آپ نے بات کیوں نہ مانی۔ نعمت دینے والے کی بات پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ نعمتیں آپ نے کہاں ضائع کیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ فلاں کام سے میں نے روکا تھا مگر آپ وہ کرتے رہے، آپ ضد میں تھے، انا میں تھے، لالچ میں تھے شہوات میں تھے، خواہش میں تھے اور منع کرنے کے باوجود منع نہیں ہوئے۔ آپ کو سمجھایا گیا، مارا گیا، کبھی غریبی دی گئی، کبھی حالات خراب

کر دیئے گئے مگر آپ نہیں سمجھے۔ آپ وہ کیریر تلاش کریں، وہ علم تلاش کریں جس سے آپ کی عاقبت بہتر ہو۔ ہر مرض کا علاج ہوتا ہے لیکن ایک مرض کا علاج نہیں ہوتا اور وہ غفلت ہے۔ غفلت کا علاج نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا غفلت سے بچیں اور اپنی عاقبت کو اپنی ظاہری زندگی پر قربان نہ کریں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ ہر پیدا ہونے والا ضرور مرے گا۔ اگر دعا سے کوئی مریض ٹھیک ہو بھی گیا تو کچھ عرصہ بعد ضرور مرجائے گا۔ تو یہ زندگی فراق کا نام ہے اور داستان الفراق ہے، موت وصال کا نام ہے۔ چونکہ زندگی فراق ہے اس لیے فراق کی تمام تکلیفیں یہاں پہ ہوتی ہیں۔ آپ Mentally تیار رہیں، ذہنی طور پر تیار رہیں کہ ہر حادثہ یہاں ہونا ہے کیونکہ یہ حادثات کا گھر ہے اس لیئے آپ اللہ کا فضل تلاش کریں۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو اللہ کا فضل ہو گا۔ اب اور سوال پوچھو ——

سوال :۔

سر! کچھ سوال تو خلوت میں پوچھنے والے ہوتے ہیں، وہ یہاں ہم کیسے پوچھ سکتے ہیں؟

جواب :۔

غالبؔ کا ایک شعر ہے کہ ۔

غالبؔ نہ کر حضور میں تُو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

تو کہتے یہ ہیں کہ جو جانتا ہو اسے مت بتاؤ اور جو جانتا نہیں اسے کیا بتاؤ گے؟ یعنی ایک شخص نے تو بغیر پوچھے آپ کی مدد کی، دوسرا پوچھنے

کے بعد بھی مدد نہیں کرتا۔ اس لیئے آپ اس ذات سے تعلق حاصل کریں تو پھر آپ کو خلوص مل جائے گا اور آپ کا کام ہو جائے گا۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب آپ یہاں سوال کرتے ہیں تو یہ سارے کے سارے خلوت کے سوالات ہوتے ہیں اور ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو بات سمجھ نہیں آتی! یہ خاص چیز ہے۔ آپ کا سوال بنانا ایسا ہونا چاہیے' کہ آپ کا ذاتی مسئلہ بھی حل ہو جائے' اور لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔

اب اگر ذاتی بات ہے' ذاتی سوال ہے تو آپ یوں کہیں گے کہ یہ کچھ لوگوں کا خیال ہے' حالانکہ وہ آپ کا خیال ہے۔ اس لیئے جلوت کے اندر خلوت اور خلوت کے اندر جلوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی تخلیہ اور تنہائی ہوتی ہے۔ آپ اتنی مہربانی ضرور کریں کہ اپنے ساتھیوں کو بھی اپنی خلوت میں شامل کر لیں یہ ساری باتیں عام طور پر وہ ہوتی ہیں جو سب کے ساتھ ہو رہی ہوتی ہیں۔

سوال :۔

آج کل اتنی مصروفیات ہیں کہ اللہ کے لیئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے؟

جواب :۔

کچھ لوگ دفتر میں بیٹھے ہوتے ہیں اور ذکر کرتے رہتے ہیں۔ تو دفتر کی اتنی مصروفیات کے باوجود بھی آپ کو صاحبِ ذکر مل جائیں گے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کی سمجھ نہیں آتی' سکون نہیں ہوتا اور راحت

بھی جاتی رہتی ہے۔ مگر بے شمار چیزوں کی یلغار کے باوجود صاحبِ نماز اب بھی موجود ہیں۔ تو آپ اپنا کام کرتے جائیں اور دوسرے اپنا کام کریں۔ پھر آپ کو وقت نکالنا نہیں پڑے گا بلکہ یہ سب خود ہوتا جائے گا۔

سوال :۔

کیا نماز میں کوئی تصوّر کرکے نماز پڑھنی چاہیے مثلاً" یہ کہ ہم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

جواب :۔

بیت اللہ کا تصور کرنا بلکہ کسی چیز کا تصوّر کرنا منع ہے اور تصوّر ہو جائے تو جائز ہے۔ ایک حال میں اگر تصوّر نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی اور دوسرے حال میں تصوّر ہو تب بھی نماز نہیں ہوتی۔ اگر خود کرنے سے تصوّر ہو تو نماز حرام ہو گی اور منع ہے۔ یہ تو غیر ہے کیونکہ یہ آپ کا کیا ہوا ہے اور اگر اُدھر سے ہو گیا تو وہ عین اللہ ہے۔ تو اگر آپ کوشش کریں گے تو یہ ناجائز ہے اور خودؔ ہو جائے تو یہ جائز ہے۔

بٹھا کے دل میں اسے اس کی ہی نماز پڑھی
اسی کے گھر ہی کو کعبہ بنا کے دیکھ لیا

مطلب، یہ ہے کہ مالک خود موجود ہو تو آپ کی نماز جو ہے یہ تصوّر کرنے کی بجائے عبادت ہو جاتی ہے۔ تو ایسا بھی تصوّر ہو جاتا ہے۔ Effort اور کوشش کے ساتھ تصوّر ناجائز ہے۔آپ یہ بالکل نہ کرنا، چاہے شیخ کا ہو یا چاہے کسی اور چیز کا ہو اور جو تصوّر ہو جائے وہ ٹھیک

ہے۔ فرض کریں اللہ کا تصوّر کوشش سے کیا ہے تو "اللہ" کوئی لفظ تو نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کی ذات کا ایک نام ہے اور اس کا تصوّر ہے۔ اللہ تو وہ اللہ ہے جو کائنات کا خالق ہے اور مخلوق جو ہے وہ خالق کا تصوّر کر ہی نہیں سکتی۔ مگر خالق نے ایسا رستہ رکھا ہوا ہے کہ وہ خود اپنی مخلوق کے دل میں آجاتا ہے، تو وہ اگر یہ کام کر دے تو جائز ہے اور اگر آپ کریں تو یہ بالکل ناجائز ہے۔ اللہ ایسی ذات ہے کہ نہ اس کی مثل ہے نہ اس کی مثال ہے۔

زمیں پہ کعبہ میرا مکاں
گو فلک پر رکھتا ہوں لامکاں
تیرے دل میں رہتا ہوں ہر زماں

جس ذات کا مکاں ہے، اس کا ایک لامکاں بھی ہے وہ تیرے دل میں نہاں بھی ہے اور عیاں بھی ہے، وہ یہاں بھی ہے اور وہ وہاں بھی ہے اس لیئے اس کو اسی کے مقام پہ رہنے دو۔ اس کا تصوّر آگیا تو آپ اپنا فرض ادا کرتے جائیں۔ تصوّر کو خود بہ خود چلنے دیں کیونکہ جو خود بخود ہوتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔ اگر نماز میں خیال آتا ہے تو آنے دیں اور اپنا فرض ادا کرتے جائیں اور لگن کے ساتھ ادا کریں۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے تو نماز میں محویّت اور Concentration عطا فرما دیتا ہے۔ اس کا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ محویّت کے لیئے ایک فارمولا یہ ہے کہ آپ سجدے سے سر نہ اٹھانا! اگر "انا للہ" بھی ہو جائیں تب بھی سجدے میں پڑے رہیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ جو شخص دفتر جانے

اور دفتر سے آنے کے ٹائم میں لگا رہے گا اس کو کیا محویت ملنی ہے۔ محویت والے کو نہ تو سجدے کا پتہ ہے اور نہ قیام کا‘ نہ قعود کا اور سجود کا‘ اسے کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔ محویت کا معنیٰ یہ ہے کہ۔

منم محوِ خیالِ لو نمی دانم کجا رفتم
شدم غرق وصلِ لو نمی دانم کجا رفتم

میں اس کے خیال میں جا رہا تھا اور خدا جانے میں کہاں چلا گیا اور میں اس کے وصل میں ایسا غرق ہو گیا کہ مجھے پتہ نہیں میں کہاں چلا گیا‘ کہاں جانا تھا اور کدھر جا رہا ہوں۔ اس سے پوچھا آپ کا نام؟ کہتا ہے کہ مجھے میرا نام یاد نہیں۔ کہاں جانا ہے؟ کہتا ہے مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ کہاں جانا ہے۔

سوال :۔

اللہ کے راستے پر چلنا اور کامیاب ہونا بہت مشکل ہے‘ پھر ہم کیا کریں؟

جواب :۔

بجائے اس کے کہ آپ خواہشات کو پکاریں آپ کو چاہئے کہ اللہ کا نام پکاریں‘ یہ بہت بہتر ہے۔ جب یوسف علیہ السلام بک رہے تھے تو مصر کے بازار میں اس ہجوم میں ایک بڑھیا بھی ان کی خریدار تھی‘ لوگوں نے کہا تم یوسفؑ کو کیسے خرید سکتی ہو؟ تو اس نے کہا کہ خرید تو نہیں سکتی مگر اس کے خریداروں میں میرا نام تو آئے گا۔ آپ اللہ کو مان کر اس کے راستے پہ چلتے جائیں۔ وہ منظور کر لے تو اس کی مرضی اور اس کی

مہربانی۔

غلام فرید!! اودیاں او جانڑے توں اپنی توڑ نبھا

آپ شیطانی وسوسوں سے بچ کر اس کی طرف چلتے جائیں۔ وہ ضرور فضل فرمائے گا۔

سوال :۔

یہ انسانی خواہش ہے کہ وہ امتحان دیتا ہے تو کہتا ہے مجھے نتیجہ معلوم ہو جائے۔ کیا اللہ کے راستے میں ایسا ہو سکتا ہے؟

جواب :۔

اللہ تعالیٰ مالک ہے اور اس نے کہا ہے کہ میں آخرت میں نتیجہ سناؤں گا۔ یہ اس کی شرط ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ابھی Process جاری ہے، جب یہ کام ختم ہو گا تو پھر نتیجہ بتایا جائے گا۔ ہر وہ چیز جو آپ کو اللہ کی طرف رجوع دلائے، اس چیز کے ساتھ آپ کا ادب قائم رہنا چاہئے۔ پھر آپ سمجھیں کہ آپ محفوظ ہو گئے۔ مثلاً" ایک آدمی کو اپنے ماں باپ سے اللہ کا تعارف ملا، اب ماں باپ کا اللہ کے حوالے سے ادب ہونا چاہئے۔ اگر کسی آدمی کو اللہ کی یاد کسی محفل میں ملی اور کسی سنگت میں ملی تو اس سنگت کا احترام کرنا چاہئے۔ جہاں جہاں سے آپ نے اللہ کے ضمن میں تعلیم حاصل کی ہے، وہاں عزت کا مقام ہے۔ ایسے کسی مقام پر باغی نہیں ہونا چاہئے، بے شک وہاں آپ کو کچھ سمجھ نہ آئے۔ اگر آپ نے شیخ بنایا اور پھر اس سے بہتر شیخ مل گیا تو نیا علم ملنے کے باوجود پرانے استاد کو برا بھلا نہ کہو۔ اگر آپ گریجویشن کر رہے ہوں تو پرائمری

والے استاد کی بہت عزّت کریں کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے۔ تو علم جو ہے یہ ایک انداز کا نام ہے، ادب کا نام ہے اور یہ نہیں کہ کون سا علم ہے۔ آپ یہ ضرور سوچیں کہ کیا ان تمام صاحبان کا آپ نے ادب کیا ہے جن کے لیئے آپ پر احترام واجب تھا۔ اگر کیا تو بہت اچھا کیا۔ کیا وہ شیخ، بزرگ یا مرشد، جن کو آپ نے قبول کیا تھا، کیا ان کے ساتھ آپ کی نسبت قائم رہی؟ اگر قائم رہی تو سمجھو کہ آپ پر اللہ راضی ہے۔ پیر کیا ہے؟ اللہ کی راہ کا ایک آدمی ہے جو آپ کی اصلاح کرنے گا اور بہت کرے گا۔ تو راہنمائی کرنے والا مرشد اگر راضی ہے تو اللہ راضی ہے۔ اگر مرشد آپ کو لگتا ہے کہ گمراہ کر رہا ہے، کمزور کر رہا ہے یا کچھ غلط کر رہا ہے تو آپ اس کو غلط نہ کہنا بلکہ خود کنارہ کش ہو جانا۔ جس زبان سے آپ نے کسی کی تعریف کی ہوئی ہے اس زبان سے کسی کی خامی بیان نہ کرنا۔ آپ اگر اتنی بات پہ دھیان کرلیں تو سمجھیں کہ آپ کامیاب ہو گئے۔ لوگوں کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا کہ انہیں مرشد نے ایک بات بتائی اور وہ اس پر عمل کرتے رہے، پھر جب انہیں کوئی اور بات سمجھ آئی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے مرشد کے پاس بھی وہ بات نہیں ہے۔ مگر جب بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو آنکھیں کھل گئیں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ اس کا ادب کریں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو ولایت عطا ہو گئی تو بھی وہ اپنے والد کی عزت کرے حالانکہ اس کے باپ کے پاس تو ولایت نہیں ہے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اس کا باپ خوش ہو جائیگا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں، تم ہی اسے Enjoy کرو۔ تو آپ اپنے تمام پرانے احترامات قائم رکھیں، ادب ناے قائم رکھیں اور جہاں پر عقیدت سے سر

جھکایا تھا وہاں آج بھی جھکائے رکھنا۔ اس طرح آپ کی عاقبت آسان ہو جائے گی۔ جس پہ یہ مہربانی ہوتی ہے اس کی عاقبت آسان ہو جاتی ہے۔ ان پر اللہ کے حبیب پاک ﷺ مہربان ہوتے ہیں۔ کربلا کے واقعہ کا نتیجہ آخرت میں ہونا ہے لیکن اب ہوگیا ہے۔ امام عالی مقامؑ سرفراز ہو چکے ہیں۔ پھر اس طرح آپ کو فلاح پانے والا کوئی بندہ مل جائے گا، کوئی مزار مل جائے گا۔ تو وہاں آپ کی حاضری جاری رہی ہے تو آپ اس گروپ میں شامل ہو گئے۔ تو فلاح پانے والوں کے قافلے میں شامل ہونا ہی فلاح کی دلیل ہے۔ اس لیے آپ اپنی سنگت کا جائزہ لیتے رہیں۔ اگر آپ کی سنگت فلاح یافتگان کی نسبت میں ہے تو آپ بھی فلاح پا گئے۔ تو آپ کا فیصلہ آخرت میں ہو گا مگر فلاح پانے کا آج ہی پتہ چل جاتا ہے۔ جس پر بزرگ راضی ہوں، اولاد اس پر خوش ہو، جو کسی انسان سے زیادتی نہ کرے، لوگوں کے دلوں کو سکون پہنچائے، اللہ کی کائنات کو تسلیم کرے، زندگی کو تسلیم کرے، کائنات اور زندگی کا احترام کرے تو اللہ اس پر راضی ہے۔ تو اگر اللہ راضی ہو جائے تو فلاح کی خبر تو آگئی۔ اس لیئے عقیدہ کیا ہے؟ اللہ اس پر راضی ہے جو اللہ پر راضی ہو۔ جو شخص زندگی پر راضی ہو، کمی، بیشی، خامی، خوبی، غم اور خوشی کے باوجود زندگی پر راضی ہو، اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، اس نے مسلمان بنایا اور اچھی زندگی دی۔ اگر آپ یہ شکر قائم رکھیں تو فلاح پا گئے۔ زندگی میں اگر گلے کی بجائے شکر آگیا تو آپ کا مسئلہ حل ہو گیا۔ لہٰذا اللہ کا گلہ نہ کرنا بلکہ شکر کرنا۔

تو آپ انسانوں کا گلہ اللہ کے پاس نہیں کرنا اور اللہ کا گلہ بندوں

کے سامنے نہیں کرنا' بس پھر آپ کامیاب ہوگئے۔ کامیاب ہونے کے لیئے جب آپ نے دعا مانگی تو انسان کو لگتا ہے کہ میری دعا قبول ہو گئی۔ اگر آپ کوئی ایسی دعا مانگیں جب دل کہے کہ میرا حق نہیں تو وہ دعا منظور نہیں ہو گی۔ جب دل یہ کہے کہ یہ میرا حق ہے اور مجھے مل جائے تو آپ کو خود پتہ چل جائے گا کہ دعا منظور ہو گئی ہے۔ اس لیئے آپ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ اگر بندہ خود کو دنیا کے خیال کے سپرد کر بیٹھے تو پھر غلطی ہو جائے گی۔ اس لیے آپ خود کو خواہش کے حوالے نہیں کرنا بلکہ اس ذات کے حوالے کرنا۔ پھر آپ کا نتیجہ محفوظ ہے یعنی عاقبت محفوظ ہے۔

سوال :۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیز غلط ہے اور کچھ دوسری چیز کو غلط کہتے ہیں۔ ہم صحیح اور غلط کا فیصلہ کیسے کریں؟

جواب :۔

انسان کو یہ خیال آسکتا ہے کہ کیا ہمارے غلط سمجھنے کا نام گناہ ہے یا گناہ ہمارے غلط سمجھنے کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے؟ تو غلط وہ ہے جس کو اللہ غلط کہے۔ تو پھر اس غلط سے بچنا چاہئے ورنہ آج جس کو آپ غلط سمجھ رہے ہیں' عین ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو۔ جب تک آپ کا Mind جو ہے وہ Mature نہ ہو' تو غلطی کو اپنے علم پر نہیں پرکھنا بلکہ غلطی کو اللہ کے حکم کے مطابق دیکھنا۔ بس یہ بات یاد رہے! آپ تو کافی چیزوں کو غلط کہیں گے لیکن کیا پوری زندگی غلط ہے۔ بیوی خاوند کو کہے گی کہ

تیری زندگی غلط ہے' تیرے ساتھ رہنے کا فائدہ نہیں' تو رشوت نہیں لیتا' مال نہیں کماتا۔ تو آپ کی زندگی تو صحیح ہے اور غلط نہیں۔ لہذا انسان کا غلط کہا ہوا عین ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ تو آپ اپنے کو اللہ کے حوالے سے جانچو۔

سوال :۔

آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی دعا نہیں مانگنی چاہئے۔ اس بارے میں فرمائیں؟

جواب :۔

اگر آپ کی بارانی زمین ہو' اس میں آپ بیج بو دیں اور اللہ سے رحمت کی بارش مانگیں ۔

رحمت دا مینہہ پا خدایا باغ سُکا کر ہریا

اور یہ کہیں کہ یا اللہ میری زمین میں پانی دے دے' اور ساتھ میں ایک ایسا کمہار ہے جس نے بٹھی بنائی ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ ہماری بٹھی کو بارش سے محفوظ کر' مجھ غریب کے بچے بڑی دعا دیں گے۔ اب اللہ جو ہے وہ کیا کرے؟ تو اکثر تمام دعائیں' تمام دوسری دعاؤں کے برعکس ہوتی ہیں۔ آپ کبھی ساری دعاؤں پر نظر ڈالیں تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ آدھی دعائیں آدھی دعاؤں کے خلاف ہوتی ہیں۔ اس لیئے بہتر ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ جو آپ مانگ رہے ہیں' عین ممکن ہے یہ کسی اور کا حق ہو' اس لیئے میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ مانگنا چھوڑ ہی دیں اور جو اللہ کر رہا ہے آپ اس پر راضی رہیں۔ تو آپ یہ

کہیں کہ یااللہ مجھے راضی رہنے کی توفیق عطا فرما! یااللہ مجھے تو اپنا شکر گزار بندہ بنا! یا اللہ مجھے اس قافلے میں شامل کر جو قافلہ ہمیشہ راضی رہنے والوں کا ہے! آپ پیسے گننا چھوڑ دیں بلکہ ممکن ہو تو تاریخیں گننا بھی چھوڑ دیں اور اگر زندگی میں آپ لینے کی بجائے کچھ دینا شروع کر دیں تو پھر آپ اچھی زندگی میں چلے جائیں گے۔ آپ کو جو چیز اچھی لگتی ہے اگر وہ کسی کو دے دیں تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اپنی چیزیں اپنے بچوں کے Handover کر دیں، حوالے کر دیں۔ تو دعا یہ ہے کہ آپ اپنی چیزیں، جن کو پاس رکھ کے آپ خوش ہوتے ہیں، وہ اپنے بھائی کے پاس دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ خدا کے بندو، کبھی تو زندگی میں بھائی کو بھائی سمجھ لیا کرو، کبھی ایک بار تو بھائی سمجھ لیا کرو۔ بھائی سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی پیاری چیز اس کے گھر پہنچا دو۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ فی الحال حوصلہ نہیں پڑتا۔ کسی غریب کو رات کا کھانا ہی دے دو۔ اگر توفیق نصیب ہو جائے تو آپ کھانا چھوڑ دو یا کم کر لو۔ اس طرح آپ کا نفس کنٹرول ہو سکتا ہے۔ آپ کا اپنا کچھ نہیں ہے بلکہ یہ سب آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں کا ہے یا ان کی ماں کا ہے۔ آپ کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا۔ انسان عزرائیل کا جلوہ دیکھنے کے بعد بھی مانتا نہیں ہے حالانکہ وہ ایک دفعہ تو ضرور Knock کر جاتا ہے کہ میں آ رہا ہوں۔ پھر انسان دعا کرتا ہے کہ یااللہ ایک چانس اور دے، میں بڑی نیکیاں کروں گا۔ پھر جب کشتی کنارے لگ جاتی ہے تو وہی انسان کہتا ہے کہ یہ تو ہم نے چپو چلائے اور طوفان سے ہمّت اور محنت کر کے کنارے پہ آ گئے۔ اسے اللہ کا شکر کہنا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو چیز آپ کے پاس ہے اسے

Handover کرنے سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو آپ Take over کی بجائے Handover کریں یعنی لینے کی بجائے دینا شروع کر دیں یا انسانوں کی بہبود کے لیئے کوئی کام کریں اور اگر آپ یہ کام کرنے پہ آ جائیں گے تو اسی کے اندر اللہ راضی ہو جائے گا۔ اگر آپ سے میں کہوں کہ جمعرات کو کسی غریب کو اللہ کی راہ میں کچھ دے دینا تو آپ اگلی جمعرات کو نظر بھی نہیں آئیں گے۔ کچھ لوگ ہوں گے جو کسی کو دے کر آئیں گے۔ تو اللہ کی راہ میں کسی غریب کو کچھ نہ کچھ دیا کرو' کسی غریب بچے کی فیس ہی دے دو۔ تو اللہ کی راہ جو ہے وہ ہی انسانوں کی راہ ہے۔ تو حاصل شدہ کو انسانوں میں تقسیم کرو۔ کسی کی غلطی معاف کر دو' بھائی کو معاف کر دو' بہنوں کے ساتھ تو کبھی ناراض نہ ہونا۔ تو بھائی کے ساتھ صلح کرو اور بہنوں کی خدمت کرو۔

سوال :۔

حضور یہ غیر مذاہب تو بڑے منظم طریقے سے کام کرتے ہیں اور مسلمان بکھرے ہیں مثلاً" کشمیر کے مسئلہ پر سوائے ایران اور ترکی کے کسی نے حمایت کا اعلان نہیں کیا' ایسے میں ہم مسلمان کیا کریں؟

جواب :۔

یہ جو کشمیر جاگا ہے' اگر تو یہ دنیا سے مدد لینے کے لیئے جاگا ہے تو کوئی نہیں جاگا اور اگر خود اپنا حق لینے کے لیئے جاگا ہے تو وہ لے لے گا۔ آپ تو آدھا ملک دے بیٹھے ہیں۔ ایران وہ ملک ہے جو آدھا ملک ویسے ہی برباد ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے ساتھ

اپنی کچھ پرابلمز ہیں۔ اگر کشمیر کے لوگ دل کے ساتھ جاگے ہیں تو انڈیا کیا چیز ہے۔ بس آپ دعا یہ کریں کہ ان کا دل جاگا ہو۔ آپ سے وہ کیا مدد لیں گے اور اگر اللہ سے انہوں نے مدد لینی ہے تو ان کو اللہ سے ضرور مدد مل جائے گی۔ پھر آپ لوگ بھی ٹھیک ہو جائیں گے اور وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اگر یہ سیاسی طور پر بیدار ہوئے ہیں تو پھر بڑی مشکل بات ہے۔ اور اگر واقعی ان کا دل بیدار ہو گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے۔ چڑیا اگر اپنے گھونسلے پر لڑنا چاہے اور شاہین پر حملہ کرے تو اس کو اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ اس طرح کی یہ جُرأت جو ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کشمیر ویسے ہی آزاد ہو جائے گا۔ تم مدد نہ کرو، مہربانی کرو، کشمیر کی جنگ میں Interfere نہ کرو، مداخلت نہ کرو، کہ پاکستان فوج بھیج دے۔ جھگڑا جو ہے بڑھ جائے گا۔ آپ یہ کہیں کہ کشمیریوں کا راج ہو جائے۔ آپ لوگ اندر سے ان سے محبت کرتے ہیں۔ آپ یہ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کامیاب ہو جائیں گے، لیکن جب تک اپنا دل نہ بیدار ہو، باہر کی کوئی مدد بیدار نہیں کر سکتی۔ اس طرح کی مدد کام نہیں آتی۔ لہٰذا آپ ابھی انتظار کریں۔ اگر کشمیر باہر کی مدد سے آزاد ہو بھی گیا تو کیا آزاد ہوا بلکہ غلام ہو گیا۔ اس لئے آپ ان کو بیدار ہونے دیں۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ بیدار ہو جائیں گے۔ اگر افغانستان بیدار ہو گیا ہے تو وہ بھی ہو جائیں گے۔ اسی طرح روس کے اندر رہنے والے مسلمان گروہ ایسے بیدار ہوئے ہیں کہ روس کو مصیبت پڑ گئی۔ تو یہ بیداری جو ہے یہ اللہ کی طرف سے آ رہی ہے۔ آپ انتظار کریں کیونکہ یہ لائٹ اندر سے

پیدا ہو رہی ہے اور آپ دیکھیں کہ کیا پیدا ہوتا ہے اور کیا واقعہ ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ اسلام کی حفاظت آپ نے نہیں کرنی! یہ بات یاد رکھنا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کرنی بلکہ اسلام نے مسلمانوں کی حفاظت کرنی ہے۔ کہیں غلطی سے یہ نہ سمجھ لینا کہ آپ اپنے اللہ کی حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اللہ آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ آپ اللہ کو بچاتے جا رہے ہیں بلکہ اللہ ہی آپ کو بچائے گا۔ اس لیئے آپ اللہ کو جانو اور پہچانو۔ اللہ موجود ہے اور وہ طاقت والا ہے اور وہ سب طاقتوں پر غالب ہے، ان اللہ علٰی کل شیءٍ قدیر ہے، وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ دُعا کرو کہ اللہ یہ چاہے۔ اب باتیں بند کرو۔ لوگوں کو لوگوں کی مدد بیکار ہوتی ہے، مثلاً" دریا میں تیرنے والے دو آدمی تھک چکے ہوں، اگر ایک دوسرے کو بچانے کے لیئے پکڑیں گے تو دونوں ڈوب جائیں گے۔ تو آپ تھکے ہوئے ہیں اور دنیا بھی تھکی ہوئی ہے، وہ کیا مدد کریں گے۔ اگر اللہ کی مدد نہیں تو آزادی بھی کیا آزادی ہے اور غلامی بھی کیا غلامی ہے۔ اگر اللہ راضی ہو گا تو ہر شے آزاد ہو گی۔ جب پیغمبر آتے ہیں تو ساری دنیا درست ہو جاتی ہے۔ اور ان کے بعد بھی وہ اُمت آج تک چلتی جا رہی ہے۔ جب ایک درویش آتا ہے تو اس کے بعد بھی مزار کام کرتا رہتا ہے۔ تو یہ صداقت کی بات ہے۔ اگر کشمیر کے اندر یا کشمیریوں میں صداقت آ گئی ہے تو کوئی چیز اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آپ کہتے ہیں کہ مسلمان کشمیریوں کی مدد کریں لیکن پہلے آپ مسلمان تو بنیں مگر آپ تو سیاست دان بن گئے اور ہم جو ہیں وہ سیاست کے قائل نہیں بلکہ مسلمان ہونے کے قائل ہیں۔ تو

مسلمانوں کے گروہ کے ہیڈ کو امیر المؤمنین کہتے ہیں مگر اب تو وہ امیر المنافقین بن جاتا ہے۔ سب منافق ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر گورنمنٹ ہی رشوت دے تو رشوت دور کون کرے گا۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ گورنمنٹ نے اپنے حق میں بولنے والوں کو رشوت دی ہے۔ خدا کرے میں نے جھوٹ سنا ہو، لیکن ہے یہ حقیقت، گورنمنٹ نے ایم این اے اور ایم پی اے کروڑوں روپوں سے خریدے ہیں، پھر رشوت کون بند کرے گا جب گورنمنٹ ہی رشوت لے لے اور گورنمنٹ ہی رشوت دے ے تو اس لیئے ملک کا کیا ہو گا، اللہ کی رضا کیا ہو گی، اللہ کا احسان کیا ہو گا اور اللہ کا فضل کیا ہو گا۔ رشوت جو ہے وہ تو شیطان کا کاروبار ہے اور اسلام میں منع ہے مگر سارے واقعات سب جگہ ہو رہے ہیں۔ اس لیئے کشمیر کا آپ کیا فیصلہ کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کشمیریوں کی ایماندارانہ محنت کو سرخرو کرے۔ وہ کامیاب ہیں، فکر نہ کرو۔ بہت کامیاب ہیں کیونکہ ان پر یہ وقت اس وقت آیا ہے جب دنیا نیا سانس لے رہی ہے جو کہ اسلام کی Revival کا وقت ہے، نشاۃِ ثانیہ کا وقت ہے۔ کشمیر بھی بیدار ہو گیا ہے اور بیدار کرانے والا ہی ان کی حفاظت کرے گا۔ انشاء اللہ۔ وہ اللہ کا اپنا نظام ہے۔ اس لیئے آپ انتظار کریں۔ آپ اپنے آپ کو اچھا مسلمان بنائیں تو یہ کافی ہے۔ آپ نے کسی کی کیا مدد کرنی ہے جب ہمارے جنگی قیدی ہندوستان میں تھے تو کسی نے بڑی تحریک چلائی کہ ہمارے قیدی بھائیوں پر سردی کا وقت ہے، برا حال ہے اور پردیس ہے، لہٰذا ان کی مدد کی جائے اور وہ جو جرسیاں اکٹھی ہوئی تھیں اگلے دن انار کلی کی دکان پر بک رہی تھیں۔ افغانستان جانے والی

امداد بھی لاہور میں بکتی ہوئی دیکھی گئی ہے۔ سیلاب والوں کی مدد کے لیئے باہر سے آنے والا بٹر گھی بازاروں میں مل جاتا ہے' دودھ ابھی تک بِک رہا ہے۔ تو یہ قوم کشمیریوں کی کیا مدد کرے گی' وہ بیچارے سادہ سے کشمیری ہیں' محبوب اور سادہ دل والے' آپ انہیں ہیرا پھیری سکھا دیں گے۔ اس لیئے بہتر ہے کہ آپ نہ جائیں اور ان کو اپنی جنگ لڑنے دیں اور ان کے لیئے آپ لوگ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کشمیر کو فتح دے' آزادی دے' مسلمانانِ کشمیر آزاد ہو جائیں اور مسلمانانِ پاکستان اپنی خواہشات سے آزاد ہو جائیں۔ ہیرا پھیریوں سے آزاد ہو جائیں! یااللہ ان لوگوں کو صحیح مسلمان بنا دے' صحیح معنوں میں ماننے والا بنا دے۔ دنیا کے مسلمانوں کو واحد مسلمان بنادے اور ان کو اندر سے نیک بنا دے تاکہ یہ دنیا پر غلبۂ اسلام کے لیئے کامیاب ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کو آسانیاں عطا فرمائے' اور آپ کے باطن کی درستگی فرمائے۔ آمین

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولٰنا حبینا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین

☆... ○...☆

۲

۱ موجودہ دور میں رشتوں کی اذیت سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟

۲ جو لوگ ہمیں اذیت دیتے ہیں کیا ہم انہیں اس کا جواب نہ دیں؟

۳ کیا ظالم کو طاقت کے ذریعے ظلم سے نہیں روکنا چاہیئے؟

۴ جو لوگ ایسے اداروں میں کام کرتے ہیں جہاں سود ہے تو ایسے لوگوں کے لیئے کیا حکم ہے؟

۵ سر! دانش نورانی کی وضاحت فرما دیں؟

۶ اللہ اور اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں کیا فرق ہے؟

۷ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ دل میں اللہ اور اللہ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو گئی ہے؟

سوال :۔

سر! موجودہ دور میں انسانی رشتوں کی اذیّت اور ان کے برے اثرات سے کیسے محفوظ رہا جا سکتا ہے؟

جواب :۔

آپ کا سوال یہ ہے کہ In the persent situation of Human relations یا انسانی رشتوں کی موجودہ اذیّت اور اس کے برے اثرات سے تنگ آکر انسان سوچ رہا ہے کہ کیوں نہ کوئی Animalism کا راستہ اختیار کر لیا جائے۔ اگر اندیشہ یہی ہے تو انسان ہونے کی حیثیت سے بات یہ ہے کہ جب انسان سفر کے لیئے اپنے آپ کو مسافرت میں ڈالتا ہے تو یہ بات اسے بھی پریشان کرتی ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ Misbehave کرتے ہیں، اس کی محبت کا مذاق اڑاتے ہیں، Off days میں اس کو ناگوار لیٹر لکھتے ہیں بلکہ اس کو Rebound لگاتے ہیں۔ اصل بات جو وہ بھول جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ سفر تیرا ہے اور ان کا تو نہیں ہے، وہ تو بے چارے اپنے سفر سے محروم ہیں۔ اب ان بے چاروں کو بولنے کا حق تو دو۔ جب آپ

نیک سفر پر چل پڑے ہیں اور ہٹے نہیں بلکہ ڈٹے رہے، تو اگر لوگ کہتے ہیں کہ حرام کا پیسہ لے کر جا رہا ہے تو ان بیچاروں کو کہنے دو۔ آخر وہ اپنی تکلیف کا اور حسد کا کچھ تو اظہار کریں گے، ان کے اندر اتنی Jealousy بھری پڑی ہے۔

اصل میں کوئی آدمی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور نہ ہی کوئی آدمی دوسرے آدمی کے عمل کا جوابدہ ہے، اس بد دنیا میں نیک ہمیشہ موجود رہے گا۔ جس دنیا نے آپ کو نیکی کا موقعہ دیا اسے آپ بد کیوں کہتے ہیں۔ اگر ایک بندہ یہاں نیک ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے اس کو اچھا مقام ملتا ہے تو وہ اللہ سے جا کر کہے گا کہ اس سارے راستے کی خیر ہو جس سے میں آیا ہوں۔ جو لوگ، شکایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا اللہ ان کو تباہ کر، تو اللہ کہتا ہے کہ ایک بار پھر دنیا میں جا، پھر میں سب کو تباہ کروں گا۔ یہ عجب آدمی ہے، جس مقام سے عروج حاصل کر رہا ہے، اس مقام کی تباہی مانگتا ہے۔ یہ تو ایسے ہے کہ جس کمان سے تیر نکلا اور نشانے پہ بیٹھا، وہ تیر کہتا ہے کہ کمان کو پکڑو۔ اس بات پہ استغفار کرنا چاہئے، توبہ اس دعا سے جو تباہی مانگے۔ تو نیک آدمی وہ ہے جو بد کی فلاح کی دعا کرتا ہے اور بد آدمی نیک کو بھی تباہ کر سکتا ہے۔ تو سفر آپ کا اپنا ہے، ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس راستے میں لوگ آپ کو دعائیں دیں گے بلکہ ہم نے تو یہ بھی کہا تھا کہ محفل میں جاؤ گے تو جوتے چوری ہو سکتے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہوتے ہیں تو ہو جائیں، پھر کہا تھا کہ جیب کٹ سکتی ہے تو آپ نے کہا بے شک کٹ جائے۔ پھر یہ کہا تھا کہ لوگ آپ کو بدنام کریں گے تو آپ نے کہا تھا کہ ہونے دیں۔ اب آپ

وہ ساری باتیں کہہ رہے ہو جن سے منع کیا گیا تھا۔ تو جب آپ نے عشق کیا ہے تو پھر صبر بھی کریں۔ اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پیغمبروں پر الزام آیا لیکن پیغمبر، پیغمبر ہی رہے۔ ان کو اذیت ملی تو بھی صبر کیا۔ آپ بھائیوں کا گلہ کرتے ہو، یوسفؑ کو بھائیوں نے کیا سے کیا کر دیا، کنوئیں میں پھینک دیا، اور یوسفؑ نے ان کے ساتھ یہ کیا کہ لا تثریب علیکم الیوم "آج کے دن تمہیں کوئی سزا نہیں"۔ اب آپ کون سا سفر کر رہے ہیں؟ آپ تو یہ کہیں کہ یا اللہ ان رشتے داروں کی خیر جن سے مجھے خیر نہیں ملی۔ یہ سوال آپ بار بار Repeat کرتے ہیں اور مجھے بار بار افسوس ہوتا ہے۔ ایک وعدہ کرو کہ آئندہ یہ سوال کبھی نہیں آئے گا۔ دوسرے کا برا عمل ہی تو آپ کی نیکی کا باعث ہے۔ آپ نے دوسرے کا جو ظلم برداشت کیا ہے، اس سے بڑی نیکی کیا ہے! اگر آپ نے گھر بیٹھے منزل لینی ہے تو یہ ظلم برداشت کر لو۔ ورنہ آپ نے نمازیں کون سی اور کتنی پڑھی ہیں، ان کا حساب لگا لو اور آپ نے کتنا پیسہ خیرات کیا ہے اور کتنا حلال کمایا ہے۔ آپ یہ کام کرو کہ اللہ سے دعا مانگو۔ ؎

بشر ہیں بے خبر ہیں کیوں تباہی کی دعا مانگوں

میں نے آپ کو پہلے ہی دن ایک بات بتائی تھی۔ آپ نے دو کام نہیں کرنے، تقاضا نہیں کرنا اور شکایت نہیں کرنی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے آگے یہ شکایت کر رہے ہو کہ یا اللہ یہ رشتے دار جو اذیت پہنچانے والے ہیں انہیں سزا دے۔ آپ ایک کہانی سنو۔ کچھ لوگ اپنے پیر صاحب سے ملنے گئے۔ وہ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ پیر صاحب

ہیں؟ اندر سے پیر صاحب کی گھر والی نے بڑے غصے سے جواب دیا اور پیر صاحب کو اور ان کے مریدوں کو خوب برا بھلا کہا۔ پیر صاحب جب واپس گھر آئے تو ان مریدوں سے ملے۔ ان لوگوں کے سارے مسئلے حل ہو گئے اور سارے معاملات حل ہو گئے۔ پھر ایک مرید نے کہا کہ میرا ایک مسئلہ حل کریں، آپ کا تو اتنا مقام ہے اور وہ کیا معاملہ تھا جو آتے وقت ہمیں پیش آیا۔ پیر صاحب کہنے لگے کہ میرا یہ سارا فیض اس کا احسان ہے، میں اپنی بیگم صاحبہ کا نامناسب رویہ برداشت کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے نوازتے ہیں۔ تو عروج کی داستان حاسدوں سے بھی شروع ہوتی ہے۔ آپ میں سے کتنے لوگ ہیں جو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یا اللہ اگر ہمارے پاس اختیار ہوتا تو ہم امام حسینؑ کو کربلا کے مقام سے کبھی نہ گزرنے دیتے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کبھی نہ گزرنے دیتے تو آپ امام پاکؑ کو اس مقام سے Reduce کرنا چاہتے ہو۔ مقامِ کربلا تو کرب و بلا ہی ہے، اگر آپ کہتے ہیں کہ کرب و بلا نہیں ہونا چاہئے تھا تو پھر آپ امام حسینؑ کے ماننے والے نہ ہوئے۔ یزید کا تو بیڑہ غرق ہو گیا اور اس پر لعنت ملامت بھی ہو گئی مگر امام پاکؑ کو تو عروج ملا اور درجات مل گئے۔ آپ اس عروج کی نسبت سے تھوڑی سی دعا ہی کر دو، ہو سکتا ہے کہ کوئی بخشش کا موقع نکل آئے۔ مگر آپ تو رشتے داروں کی کہانی سنا رہے ہیں کہ آپ کے رشتے دار ظالم ہیں۔ تو اگر وہ ظالم ہیں تو تبھی تو آپ اچھے ہیں ورنہ تو آپ بھی ان جیسے ہو جائیں گے۔ میں آپ کو بار بار سمجھاتا رہتا ہوں کہ آپ اچھے انسان بن جاؤ۔ فقیری، درویشی تو نام ہی ہیں، اصل میں تو آپ انسان ہیں۔ انسان ہی دانا انسان اور نیک انسان بنتا

ہے۔ پھر وہ انسان جتنا جتنا صاف ہوتا جائے' اس کو اتنا مقام ملتا جائے گا' رہنا اس نے انسان ہی ہے۔ اچھا انسان کیسے بنتا ہے؟ ایک نے برا سلوک کیا اور دوسرے نے اس سے اچھا سلوک کیا۔ اس طرح وہ نیک بن گیا۔ اور اگر دنیا سے بد نکل گئے تو نیک مرجائیں گے۔ اگر لوگ باغی نہ ہوتے تو پیغمبر نہ آتے۔ اگر لوگ خدا کے خلاف نہ ہوتے تو خدا والے کدھر سے آتے کیونکہ پھر ان کے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اللہ والے یہ کام کرتے ہیں کہ باغیوں کو اللہ والا بنا کے کچھ عرصہ بعد آپ چلے جاتے ہیں' لوگ پھر باغی ہو جاتے ہیں اور پھر ایک اور اللہ والا آجاتا ہے' وہ ان کو اللہ کا راستہ بتاتا ہوا پھر غائب ہو جاتا ہے۔ تو گویا کہ یہ اذیتیں جب وہ برداشت کرتا ہے تو وہ حکومتیں' معاشرے Reform ہو جاتے ہیں۔ یہ بات سوچنے والی ہے کہ پیغمبروں کے مقامات' اولیاء کے مقامات' اور نیک لوگوں کے مقامات' سارے کے سارے لوگ اسی راستے سے گزرتے ہیں جو اذیتوں کا راستہ ہے اور تکلیفوں کا راستہ ہے۔ احسان فراموشیوں کے راستے سے گزرنے والے ہی ولی ہوتے ہیں۔ آپ Cause سے نہ لڑا کرو' وجہ سے مت لڑو' وجوہات سے مت لڑو' سبب سے مت لڑو' مسبّب کا ارادہ دیکھو۔ جس نے تمہیں نیک بنایا' اس نے انہیں ویسے بنایا۔ وہ کتنے ناسمجھ ہیں اور آپ کو قدرت نے کتنی سمجھ دی ہے۔ اب آپ کہو کہ یا اللہ ان کو ہدایت عطا فرما' انہوں نے بلا سبب میرے بچوں کو برا بھلا کہا ہے۔ آدھے بندے بہشت کے پاس جا کے یا اندر جا کے ہی واپس آ جائیں گے کیونکہ وہ کہیں گے کہ یا اللہ اگر میرے دشمن بہشت میں ہیں تو میں نے بہشت میں نہیں آنا' تو اسے کہا جائے گا کہ پھر آپ

یہاں سے Get out ہو جاؤ' نکل جاؤ' وہ تو مالک ہے' وہ کہے گا یہ بات ہے تو تم بھی واپس جاؤ۔ ایک شخص کہے گا کہ یا اللہ میرے دشمن بہشت میں کیسے پہنچ گئے تو اللہ کریم فرمائے گا کہ یہ تیرے دشمن ہیں ہمارے تو دشمن نہیں ہیں۔

ستم ہے جور ہے یعنی غضب ہے
میرے قاتل کا رب میرا بھی رب ہے

رب تو ایک ہی ہے اور وہی رب ہے تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ اگر تیرے رب کی کائنات میں تیرے مخالفین نہ ہوں تو پھر تیری قدر ہی کیا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کے لیئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے اور ہمیں زندہ رکھے۔ پتہ نہیں کل کو وہ آپ کے دوست نکل آئیں تو آپ پھر کیا کریں گے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ کون کیا ہے؟ آپ کی ٹریننگ ان لوگوں کے ذمہ ہے جو اپنا اعمال نامہ ضائع کر کے آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور اس طرح آپ کو نفیس بناتے ہیں' لطیف بناتے ہیں اور گدھے سے گھوڑا بناتے ہیں۔ وہ خود بدنام ہو جاتے ہیں اور آپ کو مقام دے جاتے ہیں۔ چور بڑا کام کر جاتا ہے' جس نے توکل ایسا دیا کہ اس چوری کے بعد ہم نے پیسہ اپنے پاس رکھنا ہی بند کر دیا اور اب چین سے سوتے ہیں۔

نہ لٹتا دن کو تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

تو توکل والا شخص رہزن کو دعا دے رہا ہے کہ یا اللہ اس نے اچھا کیا کہ مال لوٹ لیا' اب آرام سے نیند آتی ہے۔ کہتا ہے جب مال ہی کوئی نہیں

ہے تو پھر کس بات کا خطرہ۔ آپ بلاوجہ اپنی اہمیّت جتا رہے ہو، کوئی انسان تو آپ کو مانتا نہیں ہے اور آپ اللہ کے سفر پر جا رہے ہو۔ جو آپ کو اذیّت دے رہا ہے اس کی کتنی مہربانی ہے اور آپ اس کا ہزار شکر بجا لاؤ۔ تو برے اور اچھے آدمی کا یہی فرق ہے کہ اچھا آدمی برے کو اچھا سمجھ رہا ہے اور برا آدمی اچھے کو برا سمجھ رہا ہے۔ آپ اچھے ہیں لیکن وہ برا آدمی آپ کو برا سمجھتا ہے اور آپ اچھے کیوں ہو؟ کیونکہ آپ برے سے بہتر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میرے مالک نے یہ بندے بنائے ہیں، ان کو شعور نہیں ہے، یا اللہ ان کو شعور دے۔ اللہ کے راز اللہ جانے، نیک بندہ نیکی ہی کرے گا ادفع بالتی ھی احسن اچھے کام سے برائی کو رفع کر اچھے عمل سے برائی کو دور کر۔ یہ نہ کہنا کہ وہ برائی اس نے کی ہے، میں نے تو نہیں کی ہے۔ اس کا کام ہے برائی کرنا اور آپ کا کام ہے نیکی کرنا۔ ایک بزرگ ایک جگہ سے گزرے۔ ایک کسان نے دیکھا کہ گھوڑے پر ایک شہ سوار جا رہا ہے اور فصل سے گزر رہا ہے تو اس نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ بزرگ کسان کے پاس گئے، گھوڑے سے اترے، بغل گیر کیا، سرفراز کر دیا اور اسے غوث کا خطاب عطا کیا۔ جو ساتھ والے لوگ تھے انہوں نے کہا یا حضرت آپ نے کمال کر دیا، ہم ساری عمر آپ کے پاس رہے اور ہم کو تو آپ نے کچھ عطا نہیں کیا اور اس کو گالی گلوچ کے بدلے میں سب کچھ عطا کر دیا۔ اس بزرگ نے فرمایا "جو اس کے پاس تھا اس نے پورا مجھے دے دیا اور جو ہمارے پاس ہے ہم نے بھی پورا اسے دینا تھا"۔ آپ نے ابھی تک برائی کو اپنے اندر رکھا ہوا ہے۔ آپ اپنی برائی کو باہر نہیں نکالتے یعنی ابھی

تک دانتوں میں زہر ہے' اللہ کرے یہ دانت ہی ٹوٹ جائیں۔ ایک بچے نے دوسرے کو گالی دی۔ دوسرے بچے نے کہا کہ میں تمہیں گالی نہیں دے سکتا کیونکہ میرے ابا جان مجھے دیکھ رہے ہیں اور میں ان سے ڈرتا ہوں۔ تو آپ بھی یہ کہو کہ میں لوگوں کو تباہ کر دیتا لیکن میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ آپ کسی آدمی سے برائی نہ کرو کیونکہ آپ برے بن جائیں گے۔ کوئی پتہ نہیں کہ وہ آدمی کل کو نیک بن جائے اور بزرگ ہو جائے۔ آپ بزرگی کا دعویٰ کرنا چھوڑ دو اور دوسرے کو معاف کر دو' ایک دوسرے کو کاٹنا چھوڑ دو۔ آپ یہ سب کچھ خدا کی نگاہ سے دیکھو' پتہ نہیں وہ کون ہے' پتہ نہیں کیا کہتا ہے' پتہ نہیں کیا کر رہا ہے' اس لئے جب تک آپ یہ باتیں نہ سمجھو گے تو آپ کو حقیقت کی سمجھ نہیں آئے گی۔ اللہ والا وہ ہوتا ہے جو اپنے مقام میں انسان بن جائے۔ مثلاً" جو شخص ٹیچر ہے وہ دکان نہیں چلا سکتا اور جو دکان چلاتا ہے وہ ٹیچر نہیں بن سکتا۔ جو پیشہ ہے آپ اس میں چلتے جاؤ اور اس پیشے میں Sincere ہو جاؤ۔ پہلی بات یہ ہے کہ اپنے آپ سے جھوٹ کو نکال دو' لوگوں سے نفرت کو نکال دو' لڑائی جھگڑے کی صلاحیت نکال دو' اپنا مقام اللہ کے حوالے کر دو' اللہ کو مان لو اور دل سے اللہ کو مان لو۔ اس طرح سفر کرتے چلے جاؤ۔ آپ کا سفر کیا ہے؟ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر تک۔ بات صرف اتنی ساری ہے کہ یہی شہر' گلی' کوچے اور بازار ولیوں کی گزر گاہیں ہیں۔ ولی کہاں پھرتے رہتے ہیں؟ بازاروں میں پھرتے رہتے ہیں۔ وہ بازار جاتے ہیں' گھر کا سودا سلف لاتے ہیں' کام کرتے ہیں۔ تو آپ ایمان داری سے کام کرتے جاؤ' مالک تو آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ کا سفر اس

کے لئے ہے۔ آپ کا سفر انسانوں کے لئے نہیں ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ آپ ابھی تک انسانوں کے سفر سے نہیں نکلے ہیں۔ انسانوں کو انسانوں سے آزاد رہنا چاہئے۔ اپنے نیک ہونے کا شعور بھی ہونا چاہئے لیکن بہت نیک مشہور ہونے کی کوشش نہ کرو، نمایاں ہونے کی کوشش نہ کرو، نمازیں، دم اور درود مشہور کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ اپنے مقام کے کام ہیں۔ آپ اپنے مقام میں نیک ہو جاؤ اور اللہ کے ساتھ چلنا شروع کر دو۔ مشہور ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مشہور ہونا بھی ایک حجاب ہے اور مشہور ہونے کی خواہش جو ہے یہ بھی ایک حجاب ہے۔ تو آپ یہ کرو کہ رشتے داروں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے ناروا رویے پر خاموش ہو جاؤ۔ جو بد دعا دے رہے ہیں، آپ ان کو دعا دے دو۔ کیونکہ یہی تو فرق ہے آپ میں اور ان لوگوں میں! وہ اگر کوڑا پھینکتے ہیں تو جب آپ ولایت میں داخل ہوں تو آپ ان کو دعا دے دو۔ جس طرح فتح مکہ کے موقعہ پر حضور پاک ﷺ نے کفارِ مکہ سے فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں، تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ کو حق ہے کہ آپ جو چاہیں ہمارے ساتھ سلوک کریں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں وہ سلوک کروں گا جو مجھ سے پہلے میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا "لا تثریب علیکم الیوم یعنی "آج کے دن تمہارے لئے کوئی سزا نہیں ہے"۔ آپ لوگ بھی سب کو معافی دے دو۔ آپ اللہ سے معافی لینے جا رہے ہیں اور لوگوں کو معاف کئے بغیر جا رہے ہیں تو یہ مشکل ہے۔ جو لوگوں کو معاف کر کے جائے گا اس

کو معافی ملے گی۔ آپ تو لوگوں کو معاف نہیں کرتے، زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ کوئی آپ کا پیسہ لے گیا، آپ کی نیک نامی کو خراب کر گیا اور آپ کو تکلیف پہنچا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا تکلیف تو آتی ہے۔ تیری وسعت کے مطابق۔ آپ کو سب سے زیادہ دکھ تو آپ کا وہ عزیز یا دوست دے جاتا ہے جو مر جاتا ہے۔ آپ یہ نہ دیکھو کہ مرنے کا سبب کیا تھا بلکہ آپ مارنے والے کو دیکھو اور یہ دیکھو کہ وہ کتنا پیارا دوست تھا جو آپ کو غم کا سرمایہ دے گیا۔ یہ سب اللہ کی مرضی ہے۔ آپ ذرا اپنے آپ کو پہچانو کہ آپ کا سفر کیا ہے۔ آپ اپنے سفر کی قدر کرو، لوگوں سے الجھنا چھوڑ دو اور پیسوں کو گننا چھوڑ دو۔ جب آپ پیسے کے خیال میں رہو گے تو پھر آپ لوگوں کے ساتھ لڑو گے۔ سفر کرنے والے کے ساتھ صرف مسافرت ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے کے لیئے ہر کام اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ کا سفر کرنا ہے تو اذیّت آئے تو اذیّت لے لو، تکلیف آئے تو تکلیف لے لو اور فاقہ آئے تو فاقہ لے لو یعنی یہ سب قبول کر لو۔ پھر اگر فراوانی آئے تو اسے بھی قبول کرو۔ جو کچھ آتا ہے آپ اس پر راضی رہتے جاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ منزل آسان ہو جائے گی۔ آپ نے جانا کہیں نہیں ہے بلکہ رہنا یہیں پر ہی ہے۔ اگر آپ لوگوں کو برائی کے بدلے میں انہیں دعا دینے والے بن جاؤ، تو آپ کو اللہ کی طرف سے گنجائش مل جائے گی اور رعایت مل جائے گی۔ اس لیئے اس کام سے بچ جاؤ، گلہ سے بچ جاؤ۔ گلہ کیا ہے؟ یہ بد دعا کی ایک شکل ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں کا گلہ نہ کرو اور ان کی شکایت نہ کرو۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ کوئی پتہ نہیں کہ کون کب کیا ہو

جائے۔ مثلاً" کسی درویش کے گھر میں کوئی چور جائے تو اس گھر سے اس کو کچھ تو ملے گا' وہی کچھ ملے گا جو اس درویش کے پاس ہے۔ تو آپ سب کو یہ دعا دیا کرو کہ یا اللہ اس کا بھلا ہو' یا اللہ جس نے مجھ سے بھلا نہیں کیا' اس کا بھی بھلا ہو۔ تو برے شخص اور آپ میں یہ فرق ہو گا۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کرو۔

آپ نے ساری زندگی لوگوں کے منفی رویے کے خلاف شکایت نہیں کرنی ورنہ آپ کو راستہ نہیں ملے گا۔ لوگوں کے خلاف سزا کی درخواست نہیں کرنی ہے ورنہ آپ کے خلاف ایک اور آدمی کھڑا ہو جائے گا۔ یہاں پر لوگوں کو معاف کرو بلکہ اپنی جان چھڑاؤ۔ پھر کوئی آدمی آئے گا اور کہے گا کہ آپ کو بھی معاف کر دیا جائے۔ لوگوں کی بے مروتی کی شکایت مت کرو' بد عملی کی شکایت مت کرو۔ بلکہ یہ کہو کہ اس کی بات سن کر مجھے تکلیف تو ہوئی ہے مگر یا اللہ اسے بھی معاف فرما اور مجھے بھی معافی عطا فرما دے۔ یا اللہ مجھے لوگوں کو خوش کرنے والا بنا دے' یا اللہ مجھے لوگوں پر راضی رہنے والا بنا دے۔ اب آپ نے آئندہ کسی کی شکایت نہیں کرنی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنت کسے کہتے ہیں؟ جنت اسے کہتے ہیں کہ ناروا کے ساتھ صلح کے ساتھ رہنا اور نامناسب کے ساتھ مل کر رہنا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا اور ہم قریب کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ جب امام صاحب نے کہا "ولا الضّالین" تو سب مقتدیوں نے بلند آواز سے کہا " آمین"! تو ایک شخص جو میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہتا ہوا مسجد سے نماز چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس آدمی سے اتنا گوارا نہیں ہو سکا کہ

باقی لوگوں نے آمین بلند آواز سے کیوں کہی ہے۔ تو ایک تعلیم مسجد کے اندر ہے اور ایک تعلیم مسجد کے باہر ہے۔ آپ کبھی یہ نہ کرنا کہ لوگوں سے نفرت شروع کر دو اور کبھی لوگوں کو ناپسند نہ کرنے لگ جانا۔ یہ بات اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ سے پیار کرنے والے اللہ کے بندوں کو ناپسند کریں۔

سوال :۔

جو لوگ ہمیں اذیّت دیتے ہیں کیا ہم انہیں اس کا جواب نہ دیں؟

جواب :۔

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ صدقِ دل سے اور محبّت سے ان کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ ان پر رحم کر اور ان پر اپنا فضل کر۔ جتنی صداقت سے آپ دعا کرو گے اتنا ہی اس آدمی میں اذیّت ختم ہوتی جائے گی۔ آپ کے اندر نفرت پہلے آتی ہے اور اذیّت بعد میں آتی ہے۔ جس شخص کے خلاف بھی آپ کا نفرت کا رویّہ ہے، اذیّت اسی کی طرف سے آئے گی۔ آپ اگر نفرت چھوڑ دو تو اذیّت نہیں آئے گی۔ جب آپ نفرت سے دیکھو گے تو اس کا کچھ تو نتیجہ نکلے گا۔ وہ بے چارہ تو مجبور ہے۔ You expected something bad from him اگر آپ کسی کو ٹھیک کہو تو وہ ٹھیک ہو جائے گا اور کسی کو غنڈہ کہہ دو تو وہ غنڈہ گردی کرے گا۔ بس کو آپ شریف آدمی کہو گے تو وہ شریف لوگوں کی طرف چلا جائے گا۔ غنڈہ کہنے سے ہی لوگ غنڈہ بنتے ہیں۔ محبت کرنے سے لوگوں کا کردار بدل سکتا ہے۔ محبّت ایک ایسی چیز ہے جو لوگوں کو بدل دیتی

ہے اور عوام کا رخ بدل دیتی ہے۔ آپ اللہ کی طرف رجوع کرو اور کہو کہ یا اللہ میں تیرا ہی بندہ ہوں' تو ہی لوگوں کے دل بدلنے والا ہے' مجھے حوصلہ دے اور ان کو اصلاح دے۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ کہتے یہ ہیں کہ لوگوں سے لڑنے والا' لوگوں سے نہیں لڑ رہا ہوتا بلکہ اپنے آپ سے لڑ رہا ہوتا ہے۔ لوگوں کو ناپسند کرنے والا آخر کار اپنی اولاد اور بیوی کو بھی ناپسند کرنا شروع کر دے گا اور کچھ عرصہ کے بعد اپنے آپ کو بھی ناپسند کرے گا۔ When you hate people then you start hating your children and your family and finally hate yourself لوگوں کو مارنے والا اپنے بچوں کو مار دے گا اور Ultimately خود Suicide یعنی خودکشی کرے گا۔ پہلے آپ لوگوں سے Hate کرنا شروع کرتے ہیں' پھر بچوں کی باری آتی ہے اور آپ ان سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں' پھر آپ کے بچے آپ کا کہنا نہیں مانیں گے اور آپ سے نفرت کریں گے' پھر یہ بچے اپنی منزلوں کو نکل جائیں گے اور Ultimately آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ پھر آپ کی تنہائیاں ہوں گی اور آپ ہوں گے اور اس طرح آپ اپنے آپ کو ختم کر دیں گے۔ اس لئے یہ جو معاف کرنے کا مقام ہے آپ اس مقام کا خیال رکھا کرو ورنہ تو آپ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگ جاؤ گے۔ آپ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کی برائیوں پر آپ نظر رکھتے ہیں۔ جب ان پر اللہ کا کرم ہونا شروع ہو جائے گا تو وہ سب پر رحم کرنا شروع کر دیں گے۔

سوال :۔

کیا ظالم کو طاقت کے ذریعے ظلم سے نہیں روکنا چاہیئے؟

جواب :۔

ہم ظلم کا ساتھ نہیں دے رہے بلکہ ہم صرف نجات کا راستہ بتا رہے ہیں۔ دنیا میں جو ظلم ہو رہا ہے اس کے لئے اجتماعی راستہ ہے اور وہ ہے جہاد کا راستہ۔ ہم فی الحال جہاد پر گفتگو نہیں کر رہے کیونکہ اس وقت تو سوال یہ ہے کہ میں اپنے اللہ کے قریب کیسے ہو سکتا ہوں۔ اس کے لیے آپ کو ظلم قبول کرنا' غریبی قبول کرنا اور بیماری قبول کرنا ضروری ہے اور بھی بے شمار کام کرنے والے ابھی رہتے ہیں مثلاً" ایسا عمل کرنا کہ نجات مل جائے۔ آپ تو اس چھوٹی سی بات کے پیچھے لگ گئے ہیں کہ دنیا سے غریبی کب دور ہوگی' اللہ تعالیٰ نے جن کے ذمہ یہ کام لگایا ہے' وہ کر رہے ہیں' اور وہ بڑی مدت سے یہ کام کرہے ہیں' انشاء اللہ تعالیٰ دنیا سے غریبی دور ہو ہی جائے گی۔ آپ دعا کریں کہ یا اللہ سب کو برابر کر دے۔ پھر اگر شکلیں برابر ہو جائیں گی تو عقل برابر نہیں ہوگی۔ تو یہ تو سیاسی لوگوں کا نعرہ ہے اور وہ یہ کام کر رہے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں اور آپ کا مسئلہ ہے کہ "میں اور میری بخشش" اور "میں اور میرا رُوحانی ارتقاء"۔ اسی روحانی ارتقاء کے اندر یہ بات ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو بچاؤ۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ کیوں ناں ہم اس ظالم کو پہلے ہی جھٹک دیں؟ ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ جن لوگوں نے بارڈر پر بڑی جنگ لڑنی ہو' وہ گلی کی لڑائی نہیں لڑتے۔ جس نے بارڈر پر لڑنا ہے

اور بہت بڑی، فیصلہ کن جنگ لڑنی ہے یعنی کہ وہ جو بہت بڑے مقصد والے لوگ ہوتے ہیں، وہ چھوٹے مقاصد سے نکل جاتے ہیں۔ مثلاً" چار بجے آپ کی فلائٹ بک ہو اور آپ نے آگے جانا ہو کیونکہ آگے آپ کا محبوب آپ کا انتظار کر رہا ہے تو اگر ساڑھے تین بجے آپ کا جھگڑا ہو جائے، آپ کا دشمن آپ کے سامنے آ جائے تو اب آپ جھگڑا نہیں کر سکتے حالانکہ یہ بہترین موقع ہے انتقام لینے کا، دشمن نہتا موجود ہے لیکن وہ محبوب کا راستہ ہے اور وہاں ضروری جانا ہے۔ تو محبوب کے راستے پر جانے والا دشمنوں سے نجات پا جاتا ہے، وہ کہتا ہے اِس کو بھی چھوڑا اور اُس کو بھی چھوڑا۔ صرف اس کو محبوب کی فکر ہے جو ادھر ائرپورٹ پر انتظار کر رہا ہے۔ تو اگر آپ کو محبوب سے محبّت ہو جائے تو محبوب کے راستے پر چل پڑو اور دشمنی کا راستہ چھوڑ دو۔ اور آپ تو ہیں ہی محبوب کے راستے پر چلنے والے، محبوب سنگِ درِیار پر ملے تو سر جھکا دو اور اگر نوکِ خار پر ملے تو ادھر چلے جاؤ، اور اگر محبوب دار پر ملے تو سر کٹا دو۔ بڑی آسان بات ہے اور یہ ان لوگوں کی بات ہے جو محبوب کے راستے کو تلاش کرتے ہیں۔ جہاد کا راستہ اور ہے کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانی فرمادی ہے۔ جہاد کے لیئے فوج بنا دی ہے، مریں گے تو شہید کہلائیں گے اور اگر جیت جائیں گے تو غازی کہلائیں گے۔ اگر نیّت "اللہ" ہے تو وہ جہاد ہے اور اگر نیّت کچھ اور ہے تو وہ جہاد نہیں ہوگا۔ ہر کسی سے پوچھا جائے گا کہ آپ کی نیّت کیا ہے۔ اسلام میں اصلاحِ احوال تو ہوتی ہے مگر یہ کام بھی علماء صاحبان نے اپنے ذمّہ لے لیا ہے کہ وہ اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے نفاذ کا یہ کام علمائے

کرام جانیں اور حکومت جانے، ہم پر تو صرف محبّت نافذ ہو رہی ہے اور یہ سب سے بڑی بات ہے اور ہم "محبّت" کا پہرہ دے رہے ہیں، محبت کی نماز ذرا اور ہے اور نماز کی محبّت اور ہے۔ اس لیئے ہم محبّت کی تلاش میں ہیں کہ محبت کیا ہے؟ محبّت ہمیں جدھر بلاتی ہے ہم چل پڑتے ہیں، وہ کہتی ہے کہ آجاؤ تو ہم ادھر چلے جاتے ہیں چاہے راستے میں دریا ہو، جنگل ہو یا بیلے ہوں۔ چاہے دوری ہے، چلنے والا چلتا جاتا ہے۔ جس کو محبت کی یہ آواز سمجھ آئی ہے، صرف اسے سمجھ آئے گی۔ ہم اس راستے پر چلنے والے لوگ ہیں جہاں انسان ایک آواز کے پیچھے چلتا ہے اور وہ واقعات کے پیچھے نہیں چلتا۔ یہاں میں آپ کو محبوب کی بات بتا رہا ہوں کہ محبوب کی آواز کیسے ہوتی ہے؟ جب محبوب کی آواز آئے کہ میرے پاس آؤ تو پھر کوئی بھی رکاوٹ آئے، انسان اس کو خاطر میں نہیں لاتا اور کہتا ہے کیونکہ محبوب نے بلایا ہے، میں ہر خطرے سے گزر جاؤں گا۔ وہ شخص اپنے محبوب کو یہ نہیں کہے گا کہ مجھے یہ مسئلہ ہوا ہے، یا یہ کہ مجھے راستے میں تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ اور اگر محبوب کو کہے گا کہ میں تو یہ کر رہا تھا تو حبطت اعمالھم یعنی پھر سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو آپ محبوب کی آواز پر لبیک کہو اور محبوب کی آواز سے کبھی اپنی آواز اونچی نہ کرو، محبوب کے کام کے علاوہ کبھی کسی کام کو نمایاں طور پر نہ کرو۔ سب سے بڑا کام یہی ہے۔ اور اگر محبوب جو ہیں وہ محبوبوں کے محبوب ہوں تو پھر اس شخص کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر اس کام کے اندر کوئی رکاوٹ ہے تو آپ اس کا علاج دریافت کرو۔ ورنہ تو باقی سب کچھ لکھا ہوا ہے کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ

پیسہ کماؤ، اور مشکل وقت کے لیئے کچھ پیسہ جمع کرو تو پھر یہ ہوگا کہ مشکل وقت آجائے گا۔ تو طریقہ یہ ہے کہ کچھ خرچ کرو اور کچھ جمع کرو۔ یہ صحیح ہے کہ جو شخص مشکل وقت کے لئے جمع کرتا ہے اس پر مشکل وقت آتا ہے۔ اور سماج میں کیا ہوتا ہے؟ کہ ایک مکان بنالو اور پھر آدھے سے زیادہ پیسے قرضے میں دیتے جاؤ۔ خدا کرے کہ سود کھانے والے سارے لوگ ختم ہو جائیں۔ سود لینے والے، سود لکھنے والے اور سود دینے والے اللہ کے اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ سارا سماج جو ہے یہ مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ آپ لوگ سود کو بند کر دو تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ سود کیسے بند کرسکتے ہیں؟ جن کو یہ توفیق ہے، وہ یہ کام کریں اور جن کو توفیق نہیں ہے، وہ اس معاملے کو چھوڑ دیں۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ محبوب کا سفر ہے اور آپ محبوب کی آواز پر، محبوب کے خیال پر لبّیک کہیں ۔

بھٹک رہا تھا میں سود و زیاں کے صحرا میں
تیرے دیار میں لائی مجھے تیری خوشبو

اس طرح آپ خوشبو کے سفر پر چلیں گے، سود وزیاں تو ادھر ہے، نفع و نقصان ادھر ہی ہے اور وہ آپ لوگ کرتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا سود وزیاں کا صحرا ہے کہ اس میں جمع کرو، تفریق کرو، مکان بناؤ، بیوی بچے اور دوسرے سارے واقعات پورے کرو۔ مگر محبت والا یہ کہتا ہے کہ ۔

تیری تلاش مجھے اپنے سامنے لائی
میں آئینے میں جب اترا تو سامنے تھا تُو

میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ آئینے میں اترنے کا سفر ہے، یہ نفاست کا

سفر ہے، لطافت کا سفر ہے، اس میں انتقام نہیں ہوتا، اس میں جھگڑے نہیں ہوتے، فساد نہیں ہوتے، زیادہ کھانا بھی نہیں ہوتا، زیادہ پینا بھی نہیں ہوتا بلکہ کچھ بھی نہیں ہوتا صرف محبوب ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ سفر عجیب و غریب ہے۔ اس میں نہ "تو" تو رہتا ہے اور نہ "میں" میں رہتا ہوں۔ یہ سفر ایک تلاش ہے اور مستقل تلاش ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جس مقام پر آپ کو کسی کی جستجو لائی ہے۔ اس لئے آپ یہ دعا کرو کہ آپ کو محبوب پاکؐ کی محبت نصیب ہو، سلطان باہوؒ نے ایک جگہ کہا ہے کہ ؏۔

ایمان سلامت ہر کوئی منگے تے عشق سلامت کوئی ہو

یعنی ایمان کی سلامتی اور چیز ہے اور عشق کی سلامتی اور چیز ہے۔ یہ سفر ہی اور ہے اور اس کے فارمولے ہی اور ہیں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ سفر ہے concentration کا Enlightenment کا، Self realization کا، Self awakening کا، یعنی کہ اپنے آپ کو دریافت کرنے کا اور اس کے لئے آپ کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے اندر ہی سب کچھ مل جائے گا۔

ہم اپنے آپ ہی میں تجھے ڈھونڈتے رہے
تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا

بس آپ ہر طرف سے دست بردار ہو جاؤ اور صرف اپنے آپ کو دریافت کر لو۔ پھر Ultimately آپ اپنے آپ کو دریافت کر لو گے، پہچان لو گے، محبوب سے وصال ہو جائے گا اور منزل مل جائے گی کیونکہ اس طرح آپ کا وصال حق سے ہو جائے گا۔ باقی جو ساری باتیں ہیں وہ سب ٹھیک ہیں،

جہاد بالکل حق ہے، عبادت اور نماز بالکل حق ہے، مال جمع کرنا بھی حق ہے، خیرات کرنا بھی حق ہے، جہاد بھی حق ہے، یہ تمام صداقتیں ہیں اور اللہ کی کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب سچ ہے اور ٹھیک ہے، مگر ایک اور خاص مقام ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ محبوب کو تلاش کرو، اسے چاہو۔ یہ اور مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ ۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

یہاں جلوہ گاہِ حسن کی بات ہے، اس لیئے آپ نے اور کچھ نہیں کرنا ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ پوٹلیاں باندھتے رہ جائیں۔ اس راستے میں پیسہ جمع کرنے کی بجائے مانگ کر کھا لینا بہتر ہے۔ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ کا محبوب "اللہ" ہے تو پھر آپ اگر بچوں کی فکر کرتے ہیں تو پھر یہ جھوٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کس اللہ کو مانتے ہو؟ وہ "اللہ" تو وہ ہے جو آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کا خیال رکھے گا کیونکہ وہ آپ کے پیدا ہونے سے پہلے بھی آپ کا خیال رکھتا ہے۔ تو کیا وہ محبت کے بعد آپ کا اور بچوں کا خیال نہیں رکھے گا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے! فرض کریں اگر آپ آج مر جائیں، تو پھر بچوں کا کون خیال رکھے گا؟ اللہ خود رکھے گا۔ جب آپ یہاں نہیں ہوتے تو پھر بچوں کا کون خیال رکھتا ہے؟ بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون پالتا ہے؟ اللہ پالتا ہے۔ یہ تو آپ کو یقین ہے، تو اگر آپ اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ آپ کے بچوں کا خیال نہ کرے۔ یہاں سے آپ کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ ہے اور پالتا ہے، لوگوں کو

سنبھالتا ہے اور لڑائیاں ختم کراتا ہے۔ آپ کو جیسے ہی راستہ ملے اس صحرا سے نکل جاؤ' اور آپ زمان و مکاں کو توڑ کر نکل جاؤ۔ بس اپنا راستہ بناؤ۔ راستہ محبت کا ہے اور یہی اصل راستہ ہے۔

سوال :۔

سر! جو لوگ بینکوں میں اور ایسے ہی دوسرے اداروں میں کام کرتے ہیں جن کا کام سود کا حساب کتاب اور لین دین ہے تو پھر ایسے لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب :۔

آپ کے لئے اس بات کا یہ جواب ہے کہ جائز مجبوریاں ذکر میں نہ لاؤ اور سفر طے کرنے کو ایمان بنا لو۔ لیکن مجبوری کو جواز نہ بناؤ اور باطل کو باطل ہی کہو۔ جہاں مجبوری نہیں ہے وہاں پر جواب دہ ہو جانا۔ جہاں مجبوری ہے' وہاں خاموش ہو کر چل پڑو اور یہ کبھی نہ کہنا کہ یہ حق ہے۔ وہاں پر خاموشی سے چل پڑو۔ مجبوری میں فی الحال یہ وقت نکال لو۔ جب آپ کو امتیاز مل جائے تو پھر آپ مجبوری سے نکل جانا۔ اس لئے آپ ابھی بینک والوں کو کچھ نہ کہو بلکہ دعا کرو کہ دنیا کے اندر سب صحیح ہو جائے۔ ابھی آپ یہ دعا کرو کہ یا اللہ! مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ایسے بینک بنائیں کہ سود سے جان چھوٹ جائے اور وہ اس لعنت سے بچ جائیں۔ جب ایمانداری شروع ہو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ دعا کرو' آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

سوال :-

سر! "دانشِ نُورانی" کی وضاحت فرمادیں۔

جواب

"دانش" حکمت کو اور پہچان کو کہتے ہیں۔ زمانے کی پہچان اور چیز ہے اور اپنی ذات کی پہچان اور چیز ہے۔ کوئی انسان جب اپنی ذات کی پہچان کر لیتا ہے تو یہ پہچان "دانشِ نورانی" کہلاتی ہے' یعنی کہ یہ اللہ کی منشاء کی پہچان اور اللہ کے امر کی پہچان ہے۔ مثلاً" جیسے ایک عمل کو پہچاننا کہ اس کے پیچھے منشاء کیا ہے؟ اس کی منشاء کو پہچانو اور امر کو پہچانو تو پھر یہ دانشِ نورانی بن جائے گی۔ وگرنہ تو صرف راز ہی راز اور پردہ رہے گا اور جو Ultimate راز ہے وہ "اللہ تعالیٰ " ہے' اس راز کے جاننے کو کہتے ہیں پہچان' یعنی خالق کے ارادے کی پہچان' اپنی ذات کی پہچان' اسباب' اشیاء' ان کے مسمیٰ' ان کے ظاہر' باطن کی پہچان' اس کو دانش کہتے ہیں۔ کسی چیز کے بارے میں یہ جاننا بہت بڑی بات ہے کہ اس کی صفت کیا ہے' یہ کام کیا کرتی ہے؟ رنگ کیا ہے؟ روشنی کیا ہے؟ Sound یعنی آواز کیاہے اور یہ واقعات کیا ہیں؟ یہ ساری ایک دانش ہے۔ اور دوسری دانش یہ کہ رُوح کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کس کے حکم پر آیا ہوں؟ آنا تھا تو پھر جانا کیوں ہے؟ جانا تھا تو پھر میرا آنا کیا ہے؟ کیا میں کوئی حکم لے کر آیا تھا؟ کوئی منصوبہ لے کر آیا تھا؟ کس نے مجھے اس اجنبی دیس میں بھیجا اور اگر بھیجا ہے تو پھر راز کیا ہے؟ اس سے آگے پھر راز ہی راز ہے۔

سوال :۔

سر! اللہ اور اللہ کے حبیبِ پاک ﷺ کے مقام میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔

جب تک انسان عاشق نہیں بنتا تو ان میں فرق رہتا ہے۔ عاشق بن جائے تو فرق نہیں رہتا۔ اور جو عاشق ہوتا ہے اسے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ فرق کیا ہوتا ہے کیونکہ وہ فرق کا شمار نہیں کرتا۔ جب تک آپ عشق میں داخل نہ ہوں تو پھر بے شک عشق کی تعریف کرتے جائیں کہ عشق یہ ہے' وہ ہے' پھر عشق پر کتابیں لکھ دیں اور مضامین لکھ دیں مگر عشق سمجھ میں نہیں آئے گا۔ عشق کا مطلب عاشق سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ عشق صرف معشوق ہے۔ وگرنہ اس کی کوئی تعریف نہیں ہوگی۔ عشق صرف محبوب ہوتا ہے۔ اگر آپ اللہ کے پاس جاؤ گے تو وہاں اس کے محبوبؐ کا ذکر پاؤ گے اور اگر اللہ کے محبوبؐ کے پاس جاؤ گے تو اللہ کا ذکر پاؤ گے۔ تو اس میں یہ فرق نکالا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ ایک لامحدود ہے اور دوسرے کی شان لامحدود ہے۔ اس میں فرق نکالنے والے عام طور پر گمراہ ہوکر مرگئے ہیں۔ اس لیئے آپ بھی فرق نہ نکالنا۔ اللہ کے محبوبؐ نے اگر فرمایا ہے کہ اللہ ہے تو پھر اللہ ہے اور اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ پیغمبرؐ ہیں تو بس پیغمبرؐ ہیں! پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ پہلے ہے تو ہم نے کہا وہاں اللہ پہلے ہے۔ اب اگر یہ سوچیں کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں صرف ایک کو محبوب کیوں بنایا ہے تو یہ اللہ بہتر جانتا

ہے۔ اس لئے اس راز کا کسی کو پتہ نہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ کے آگے سجدہ کرو تو آپ سجدہ کرو، جھکو۔ بس آپ اتنی بات یاد رکھو کہ سجدہ صرف اللہ کو کرنا ہے اور سجدہ محبوبؐ کو نہیں کرنا ہے۔ یہ انہوں نے خود ہی فرمایا ہے کہ سجدہ گناہ ہے۔ بس آپ اتنی بات یاد رکھو، باقی محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ محبت میں بات اکثر برابر ہو جاتی ہے اور عام طور پر "حمد" اور "نعت" کا شعر برابر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک شعر داتا گنج بخشؒ کے بارے میں کہا گیا ہے ۔

گنج بخشؒ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

یعنی گنج بخشؒ فیضِ عالم وہ ہوتا ہے جس کا ساری کائنات پر فیض ہو۔ حضرت علیؓ کا نام ہی ایسا ہے کہ ان کا نام آجائے تو طبیعت مست ہو جاتی ہے۔ اب اللہ سے محبّت یا اللہ کے رسول پاک ﷺ سے محبّت جو ہے وہی محبّت اب حضرت علیؓ سے بھی ہو گئی۔ "من کنت مولٰی" جو ہے یہ کون بولا؟ بندہ کہ مولیٰ۔ پہلے تو پیغمبرؐ سے محبّت تھی اور پھر حضرت علیؓ سے محبّت ہو گئی۔ تو راز یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی محبّت اور رسول اللہ ﷺ کی محبّت ایک ہی ہے اور یہی محبّت اللہ کی محبّت بھی ہے۔ دراصل محبت دل سے ہوتی ہے۔ آپ اپنے دل میں دیکھو کہ وہاں کیا ہے اور پھر وہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ دل میں جس کی محبّت ہو وہی دل میں رہتا ہے اور اگر دل اللہ والا ہو تو محبت اللہ کی ہے اور جس نے یہ محبت سکھائی ہے وہ اللہ والا ہے۔ مولانا رومؒ کی محبت جو ہے وہ عشقِ حقیقی ہے اور شمس تبریزؒ کی محبت بھی عشقِ حقیقی ہے۔ بس یہ راز سمجھنے والی بات اور بڑے غور والی بات ہے۔ عشق میں بڑا چھوٹا کوئی نہیں ہوتا

یہ پیمانے وہاں نہیں چلتے۔ اللہ بڑا ہے اور جس دل میں اللہ کی محبت ہے وہ سب سے بڑی محبت ہے اور پیغمبرؐ کے دل میں اللہ کی جو محبت ہوتی ہے وہ اس سے بھی بڑی ہے۔ یہ بڑا اور چھوٹا، آپ کے پیمانے ہیں۔ اللہ مالک ہے، اس کے پاس Greatness ہے۔ اگر ایک آدمی نیچے والی منزل پر رہتا ہے اور دوسرا آدمی سب سے اوپر والی منزل پر رہتا ہے اور درمیان میں دو ہزار فٹ کا فاصلہ ہے تو یہ دونوں سورج کے حساب سے تو برابر ہیں۔ سمندر کے اندر سے چار دریا نکل جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے اور چار دریا اور شامل کر لیئے جائیں تو پھر وہ بھی تلاش نہیں کیے جاسکتے کیونکہ اب وہ سمندر کا حصہ بن گئے ہیں۔ تو وسعتوں کے اندر یہ چھوٹے پیمانے نہیں ہوتے۔ جو پیمانے ہمارے پاس ہیں ان کے مطابق ایک وسعت تک جاکر ہمارا پیمانہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہم کیا جانیں بلندی کیا ہوتی ہے وسعتیں کیا ہوتی ہیں اور وہاں کائنات کیا ہے؟ دن رات تو سورج کا اپنا نام ہے، سورج کا نام آدھا دن ہے اور آدھی رات ہے۔ سورج نکل آئے تو دن رات بنتے ہیں ورنہ ہمارے ہاں نہ دن ہوتا ہے اور نہ رات ہوتی ہے ہماری ساری دنیا سورج کا نظام ہے۔ نظامِ شمسی سے پرے کوئی اور نظام شمسی ہے! اس نظام کے مالک کو ہم اس نظام سے کس طرح ماپ سکتے ہیں۔ تو یہ بات ضرور دیکھنی چاہیئے کہ سورج کی کہانی اور ہے، اور یہ چوبیس گھنٹوں کی کہانی ہے اور جہاں سورج نہیں ہے وہاں دن کیسے آئے گا؟ یہ پھر آگے کی بات ہے کہ ٹائم کیا ہوتا ہے؟ نظامِ شمسی سے وراء بھی کئی آفتاب ہیں یعنی اس سے آگے بھی کئی آفتاب ہیں اور ان آفتابوں سے آگے پھر ایک اور کائنات ہے اور اس کائنات کی وسعتوں کے آگے

پھر کئی وسعتیں ہیں، اور پھر خالق کا مقام ہے۔ اس کو آپ کیا سمجھو گے اور کیسے سمجھو گے۔ یہاں سے معلوم ہوگا کہ خالق بڑا ہے یا مخلوق بڑی ہے۔ آپ خالق اور اس کے حبیب پاک ﷺ دونوں کا احترام کریں۔ دونوں ہماری سمجھ سے بہت بلند ہیں۔ اللہ کو لوگ صبح شام پکارتے رہتے ہیں، اس سے باتیں کرتے رہتے ہیں اور دیکھا کسی نے بھی نہیں ہے۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ کو بھی آپ لوگوں نے نہیں دیکھا لیکن ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں اور درود شریف بھیجتے رہتے ہیں۔ آپ نے صرف اس دنیا کو دیکھا ہے اور یہ دنیا صرف احساس کی کہانی ہے، احساس سے محبت ہوتی ہے اور یہ محبت کی باتیں ہیں۔ اگر آپ کسی ماں سے پوچھیں کہ آپ کے جو دو بیٹے ہیں ان میں محبت کس سے زیادہ ہے تو یہ اس بیچاری کے لئے خاصا مشکل ہو جائے گا۔ تو آپ کبھی محبتوں کا پیمانۂ رکھو۔ محبتوں کا پیمانہ رکھنا بڑا مشکل ہے اور اس کا حل ناممکن ہو جائے گا۔ اور پھر اللہ اور اللہ کے رسول پاک ﷺ کی محبّت کا پیمانہ کس طرح رکھا جاسکتا ہے؟ ہمارے لئے اتنا پیمانہ رکھنا مشکل ہے! بس آپ یہ یاد رکھیں کہ اللہ، اللہ ہے اور پیغمبرؑ، پیغمبرؑ ہیں۔ اللہ وہ ہے جو پیغمبرؑ نے ہمیں بتایا اور پیغمبرؑ وہ ہیں جو اللہ نے ہمیں بتایا۔

سوال :۔

یہ کیسے پتہ چلے گا کہ دل میں اللہ اور اللہ کے حبیب پاک ﷺ کی محبت پیدا ہوگئی ہے؟

جواب :۔

بات یہ ہے کہ اگر کسی کی سوچ پر اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ غالب آگئے تو اس سے پہلے جو بے شمار سوچیں ہوتی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ سوچیں ایسی ہوتی ہیں جو قیامت تک نہیں نکل سکتی تھیں۔ پھر آپ کو نجات مل جاتی ہے اور آپ حساب کتاب سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی سوچ پر حضور پاک ﷺ کا اسمِ مبارک غالب آجاتا ہے جس اسم کی وجہ سے آگے آپ کی نجات ہو گی۔ ایسی صورت میں آپ کے عمل میں بھی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دنیا کے عمل میں جواب دہی ہے اور جب عمل آسان ہوجائے تو آپ کو جواب دہی سے نجات مل جاتی ہے۔ کچھ لوگ پیدائشی طور پر سوزِ دلِ پروانہ رکھتے ہیں، ان کے لیئے یہ راستہ آسان ہے۔ محبّت کرنے والے ہیں تو پھر آپ کے لیئے بڑی آسانی ہے اور اگر آپ وقتی طور پر محبت کررہے ہیں تو پھر آپ کے لیئے دِقّت ہے۔ اس لیئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے حبیبِ پاک ﷺ کی حقیقی محبّت سے نوازے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولٰینا حبیبنا وشفیعہ محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ آمین۔ برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

۳

۱ انسان بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہوتا جاتا ہے ' ایسے میں وہ اسلام پر کیسے عمل پیرا رہ سکتا ہے؟

۲ اللہ تعالیٰ اپنا علم براہِ راست دیتا ہے یا کسی بندے کے ذریعے دیتا ہے؟

۳ جب مانگے بغیر ہی ملنا ہے تو پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

۴ کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ محبت میں صحیح جا رہا ہے؟

۵ کیا انسان خیال پر کنٹرول کر سکتا ہے؟

۶ اس کی کیا نشانی ہے کہ انسان کا انتظار صحیح ہے؟

۷ کیا دنیاوی کاموں میں بھی انتظار کرتے رہنا چاہیئے؟

سوال :۔

انسان بڑھاپے کی وجہ سے روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے اور اس کا اسلام پر عمل پیرا ہونا مشکل ہوتا جاتا ہے، ایسے میں ہم اسلام پر کیسے عمل پیرا رہ سکتے ہیں؟

جواب :۔

آپ خود اپنے عمل کے جواب دہ ہیں کوئی آدمی کسی دوسرے کے عمل کا جوابدہ نہیں ہے اِلّا یہ کہ باپ اپنے نابالغ بچوں کا۔ اللہ نے پوچھنا ہے کہ ہم نے آپ کو معصوم بچے دیے تھے، آپ نے ان کو کھانا دیا کہ نہیں دیا، کیا آپ نے ان معصوموں کو حرام تو نہیں کھلا دیا؟ یہ آپ سے پوچھا جائے گا۔ معصوم اگر معصوم نہیں ہیں تو پھر وہ خود ذمہ دار ہیں اور آپ ان کے باپ ضرور ہیں لیکن اپنے عمل کی اولاد خود جوابدہ ہو گی۔ دوسروں کے اسلام کے بارے میں آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے ہیں۔ آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ آپ کیا کرتے رہے ہیں، آپ کو اسلام کیسا لگا اور آپ کے علم میں کتنا اسلام آیا

اور آپ کے عمل میں کتنا اسلام آیا۔ جب آپ نے اللہ کے حوالے سے کسی بات کو مان لیا اور یقین کے ساتھ مان لیا تو اب وہ بات آپ کے عمل میں کیوں نہیں آئی۔ اسلامی عمل میں ڈھالنے کے لیئے دِقّت تو نہیں ہو رہی۔ اگر کوئی دِقّت ہو رہی ہے تو آپ اس کے بارے میں سوال کریں۔ سوال یہ ہونا چاہیئے کہ اسلام کے بارے میں ہمیں علم ہے اور جب اس کے مطابق ہم عمل کرتے ہیں تو ہمیں یہاں دِقّت محسوس ہوتی ہے۔ اس دِقّت کے بارے میں سوال کیا کریں۔ تو یہ پوچھیں کہ کہاں دِقّت ہوتی ہے؟ یہ پوچھیں کہ ترقّی اور عروج کے درمیان کہاں رکاوٹ ہوتی ہے یا کون شخص اسلام کے حوالے سے آپ سے تعاون سے گریز کر رہا ہے۔ جہاں عقیدہ آپ پر گراں گزر رہا ہے وہاں پہ سوال پیدا ہو گا۔ یعنی جہاں عقیدہ ذرا مشکلات پیدا کر رہا ہے وہاں سوال پیدا ہو گا۔ تو اس لیئے یہ سوچنا چاہیئے ورنہ تو آپ نے صرف آنا ہے اور جانا ہے، یہاں انسان نے چند روز رہنا ہے، جیسا مرضی مکان بنا لے یا سامان بنا لے، ان سب کو ایک معیّن وقت کے بعد چھوڑ چھاڑ کر چلے جانا ہے۔ دنیا نے آپ سے کیا نگاہ بدلنی ہے، آپ نے خود اپنے آپ سے نگاہ بدل لینی ہے۔ لوگ کیا نگاہ بدلیں گے، آپ خود ہی اپنے مکان سے نگاہ بدل لیں گے اور آپ دنیا سے نگاہ موڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ خود نگاہیں پھیر لیتے ہیں مثلاً" پہلے آپ ہر وقت بچوں کے ساتھ رہتے ہیں کہ کہیں باہر نکل نہ جائے، اِدھر اُدھر نہ چلا جائے مگر پھر آپ ایک دن خود ہی بچوں سے کہتے ہیں کہ جاؤ آپ اپنا کام کرو۔ اب نگاہ کس نے پھیری؟ آپ نے خود ہی پھیری ہے۔ تو نگاہیں

بدلنا آپ کا شعبہ ہے کہ پہلے کسی کو آپ اپنا کہتے ہیں اور بعد میں اپنا نہیں کہتے۔ اسی طرح زندگی کے رشتے ہوتے ہیں کہ آپ ان سے بھی نگاہ پھیر لیتے ہیں، زندگی کی جو Achievements ہیں، ان کو بھی آپ چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ایک زمانے میں آپ نے بندوق لی تھی اور اسے روز استعمال کرتے تھے حالانکہ اس زمانے میں آپ کا کوئی دشمن بھی نہیں تھا لیکن اب دشمن بہت ہیں مگر آپ پھر بھی بندوق کی صفائی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ جانے اور دشمن جانے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا مزاج بدل جاتا ہے۔ تو یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مزاج بدلتا رہتا ہے۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے بدلتے ہوئے مزاج میں کبھی کوئی سوال پیدا ہوا؟ اسی طرح ایک شخص نے کسی پیر صاحب سے، کسی شیخ سے رابطہ کیا اور ان کے حکم کے مطابق چلنا شروع کر دیا مگر اس کو وہ حاصل نہیں ہوا جیسا ہونا چاہئے تھا تو یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے پورا آزمایا لیکن وہ بات بنی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں پر انسان یہ سوال کرتا ہے۔ ایک آدمی کے پاس ایک درویش نما انسان آیا، وہ اصل میں درویش نہیں تھا لیکن اس کی شکل درویشوں والی تھی۔ تو وہ اس آدمی سے کہنے لگا کہ میں تمہارے لئے دربارِ رسالتؐ سے ایک پیغام لایا ہوں۔ ماننے والا اس کو صحیح مان گیا کہ اصل پیغام ہے اور وہ اس پیغام پر چل پڑا۔ اگر پیغام لانے والا صحیح نہ ہو لیکن اگر اس پیغام پر چلنے والے نے نیّت سے مان لیا ہے تو وہ پیغام صحیح ہو جائے گا، راز یہ ہے۔ اگر ایک آدمی نے آپ سے یہ کہا کہ آپ روزانہ پانچ لال مرچ اللہ کی راہ میں تقسیم کیا کرو تو اب کہنے والا پتہ نہیں کیسا تھا لیکن اگر آپ نے یہ کہا کہ

اللہ کا حکم ہی ایسا ہے تو آپ کو راز مل جائے گا۔ اب کہنے والے نے جو بھی کہا لیکن ماننے والے نے اگر اس چیز کو سچ مانا ہے تو اس کا ضرور نتیجہ نکلے گا۔ تو سچ کیا ہوا؟ ماننے والے کا نام سچ ہے۔ اللہ کریم نے کبھی اپنے منہ سے نہیں کہا کہ میں اللہ ہوں' اس نے جب بھی کہا پیغمبروں کی زبان سے کہا اور ماننے والوں کی صداقت نے اسے مانا کہ ہم حضور پاکؐ کی بات کو سچ مانتے ہیں یعنی جب آپؐ نے فرمایا کہ اللہ ہے تو بس اللہ ہے کیونکہ اللہ تو آج تک سامنے آیا ہی نہیں۔ ماننے والا کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ ہے' ہمارے ساتھ رہتا ہے' باتیں بھی اسی کے ساتھ ہیں' کام بھی اسی کا ہے' ڈر بھی اسی کا ہے' محبت بھی اسی کے ساتھ ہے' سجدہ بھی اسی کا ہے' بغاوت بھی اسی کے ساتھ مکر جاتے ہیں۔ اللہ سامنے نہیں آتا لیکن سامنے سے ہٹتا بھی نہیں ہے۔ یہ سب کا عقیدہ ہے' تو اس عقیدے کے اندر جہاں کہیں رکاوٹ ہوتی ہے تو وہاں پر سوال ہوتا ہے کہ یہاں پر کیا ہے' اور یہاں کیوں ہے؟ تاکہ آسانی پیدا ہوتی جائے۔ اس زندگی میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بات سنتے ہیں' سنانے والے کا پتہ نہیں ہوتا اور بات صحیح ہوتی ہے۔ بے شمار لوگوں کو آپ اللہ کی صحیح بات سنا دیتے ہیں لیکن آپ کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ بات کیا ہوتی ہے لیکن اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص ملے تو وہ کہتا ہے کہ آپ کی بات سے تو میری زندگی بدل گئی ہے' آپ نے جو کہا تھا تو اس کا اتنا اثر ہوا کہ میں نے ویسے ہی کیا جیسے آپ نے کہا تھا۔ آپ اسے کہتے ہیں کہ مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا لیکن اب اس شخص کی زندگی بدل گئی۔ تو راز یہ ہوتا ہے کہ ماننے والے کی زندگی بدل

جاتی ہے۔ تو جس نے صدقِ دل سے مان لیا اس کی زندگی بدل گئی اور اس کی کائنات بدل گئی۔ ہمیشہ ماننے والے کی کائنات بدلتی ہے کیونکہ یہ دور کی منزل ہے، اللہ کا کام ہے، ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ کوئی کام کر نہ سکے۔ اگر آپ یہ مان لیں کہ یہاں زمین سے ایک پودا اُگے گا مگر زمین بنجر ہے، بیج بیمار ہے اور پانی قطرہ قطرہ ہے، تو آپ کو اگر یقین ہے کہ یہاں اللہ کے حکم سے درخت اُگے گا تو وہ درخت ضرور اُگے گا۔ اللہ نے کسی کو جوابدہ نہیں ہونا۔ اللہ کہتا ہے کہ جو چاہے کروں اور جیسے چاہوں کروں فعال لما یرید یعنی اللہ جو اِرادہ کرتا ہے وہ کر لیتا ہے۔ اللہ کے سامنے کوئی شے Impossible نہیں، ناممکن نہیں ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں ایسا رب ہوں کہ رات سے دن پیدا کرتا ہوں اور دن سے رات پیدا کرتا ہوں۔ انسان کہہ سکتا ہے کہ رات سے دن پیدا کرنے کا کام تو سورج کرتا ہے لیکن جب اللہ کہے کہ میں رات سے دن پیدا کرتا ہوں تو اس کے معنی کچھ اور ہوں گے، سورج کیا کرتا ہے؟ آ جائے تو دن ہو جاتا ہے اور چلا جائے تو رات ہو جاتی ہے اور یہ کام تو سورج کا ہے کہ وہ رات سے دن اور دن سے رات کرتا رہتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات سے دن پیدا کرتا ہوں اور دن سے رات پیدا کرتا ہوں تو یہ پوری حقیقت ہے اور پوری تشبیہہ ہے کہ اللہ خوشی سے غم پیدا کر سکتا ہے اور غم میں سے خوشی پیدا کر سکتا ہے، دُکھ میں سُکھ پیدا کر سکتا ہے اور سُکھ میں سے دُکھ پیدا کر سکتا ہے، ہونے سے نہ ہونا پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہونے سے ہونا پیدا کر سکتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں رات سے دن اور دن سے رات پیدا فرماتا ہوں تو اس کا مطلب یہ بھی

ہے کہ دکھ سکھ، غم خوشی، موت زندگی، ہونا نہ ہونا، اپنا بیگانہ، سب ہی اس کا کام ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ کام اس کا ہے تو پھر آپ کا کیا کام ہے؟ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زندگی سے موت پیدا کرتا ہوں اور موت سے زندگی پیدا کرتا ہوں اور یہ کہ ہم جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں تو ایک فارمولا ہے کہ رزق کیسے ملے گا؟ حساب سے ملے گا لیکن جب اللہ جوشِ رحمت میں آئے تو وہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ تو گویا کہ استحقاق کے بغیر بھی رزق دے دیتا ہے یعنی حق والے کو تو دیتا ہی ہے لیکن حق کے بغیر بھی دیتا ہے، حق کے ماسواء بھی دیتا ہے۔ اور یہ سب سائل کی ادا پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے کیسے مانگتا ہے تو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ حق سے زیادہ دیتا ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ نے فقہ نہ پڑھی، عربی نہ پڑھی، حدیث شریف نہ پڑھی، کوئی عبادت بھی نہ کی ہو لیکن وہ آپ کو اپنا لے، اللہ والا بنا دے۔ پھر سارے علم مل جاتے ہیں، جب اللہ کی مہربانی ہو جائے تو پھر علم ہی علم ہے۔ ایسے بے شمار لوگوں کو ولایتیں ملی ہیں، علم ملا ہے، جن کا استحقاق نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک مزاج ہے کہ جس کو چاہے، جیسا چاہے پیدا کر دے اور جس کو چاہے ستر سال کے کفر کے بعد اسلام میں داخل کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے کام ہیں۔ یہ اس کا اپنا کرم ہے کہ ہر چیز میں سے ہر دوسری چیز پیدا کر سکتا ہے یعنی زندگی سے موت اور موت سے زندگی پیدا کر سکتا ہے، جہالت سے علم پیدا کر سکتا ہے اور عالم سے جاہل پیدا کر سکتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ عالم لوگوں نے بڑی بڑی جہالتیں کی ہیں اور ایک آدمی اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن ایسی بات کر گیا کہ

عالم بھی اس پر نثار ہو جائے۔ تو ایسے واقعات موجود ہیں۔ یعنی کہ ایجوکیشن نہیں ہے، تعلیم نہیں ہے لیکن علم ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس تعلیم تو ہو لیکن علم نہ ہو۔ ایک آدمی سے کسی نے پوچھا تمہاری تعلیم کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے ایم۔ اے کیا ہے۔ اس نے کہا پھر زندگی سے باہر جانے کا راستہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کیونکہ میری کتابوں میں یہ راستہ تھا ہی نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ ماں باپ کی عزت کیسے کرتے ہیں؟ تو وہ بولا کہ ماں باپ کا ادب تو کتاب میں لکھا ہی نہیں تھا کیونکہ میں نے تو Statistics پڑھی ہے، شماریات پڑھی ہے اور اس میں تو ماں باپ کا کچھ لکھا ہی نہیں تھا۔ اب وہ بیچارہ ایم ایس سی بھی کر لے تو اس کو ماں باپ کے ادب کا پتہ نہیں چلے گا اور یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اولاد سے پیار کیسے کرتے ہیں، وعدہ پورا کیسے کرتے ہیں۔ کیلکولیٹر اور کمپیوٹر میں وعدہ پورا کرنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ تو لوگوں کے پاس تعلیم تو ہوتی ہے لیکن علم نہیں ہوتا مگر اللہ چاہے تو علم عطا ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کے کام ہیں کہ وہ جب چاہے اور جہاں سے چاہے علم پیدا کر سکتا ہے۔ انسان کو اللہ کا علم اسی زندگی میں مل جاتا ہے اور عمل بھی یہاں ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اللہ کے فضل کی تلاش سے ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

سوال :۔

اللہ تعالیٰ یہ علم براہِ راست دیتا ہے یا کسی بندے کے ذریعے سے دیتا ہے۔

جواب :۔

دونوں طریقے ہیں۔ بعض اوقات بغیر سبب کے بھی علم آجاتا ہے۔ ایک بادشاہ تھا، اس کے ہاں اولادِ نرینہ نہیں تھی یعنی بیٹا نہیں تھا۔ اس نے دیکھا کہ وقت آخری آگیا ہے اور ولی عہد نہیں ہے۔ ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ اسی صف میں سے ایک بچہ چن لوں اور اسے ولی عہد بنا کر چلا جاؤں، دنیا کے کام تو دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تو اس نے فیصلہ کیا کہ آج رات ولی عہد چنوں گا۔ رات کو وہ ولی عہد کی تلاش میں نکلا۔ اس نے دیکھا کہ مٹی پر ایک بچہ سویا پڑا ہے۔ وہ ایک یتیم بچہ تھا جو بھوک سے مارا ہوا سو گیا تھا۔ بادشاہ کے دل میں بات آگئی کہ یہی بچہ ولی عہد ہونا چاہئے۔ تو وہ بچہ بادشاہ کو پسند آگیا اور اس نے حکم دیا کہ یہی بچہ ولی عہد ہو گا، اس کو اٹھا لو۔ جب بچہ صبح جاگا تو وہ اس سلطنت کا ولی عہد تھا۔ تو نہ تو کوئی اس بچے کا استحقاق ہے اور نہ کوئی ذریعہ ہے اور نہ کوشش ہے۔ اس کو یہ سب ایسے ہی مل گیا۔ اس سلسلے میں ایک اور مثال بزرگ لوگ دیتے ہیں کہ یہاں لاہور میں ایک بزرگ تھے۔ وہ بزرگ دریائے راوی میں پانی کے اندر کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ صبح کھڑے ہو جاتے اور شام کو قرآن شریف کی منزل پوری کر کے واپس تشریف لے آتے۔ وہ پیدل چلتے ہوئے بادشاہ کے قلعے کے پاس سے گزرتے تھے کیونکہ ان دنوں دریا قلعہ کے ساتھ بہتا تھا۔ ایک دن بادشاہ سلامت نے سوچا کہ اس درویش کی بڑی شہرت ہے، اس سے یہ پوچھا جائے کہ یہ فقیری کا علم آپ کو کیسے ملا، براہِ راست ملتا ہے یا سبب سے ملتا ہے یا وسیلے سے ملتا ہے؟ تو بادشاہ

سلامت نے حکم دیا کہ درویش کو عزت و احترام سے بلایا جائے۔ لوگ درویش کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کی خدمت میں بادشاہ سلامت نے ادب کے ساتھ گزارش کی ہے کہ آپ تشریف لائیں، بادشاہ آپ کا نیاز مند ہے اور آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہے۔ درویش ان کو ٹالتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر وہ لوگ آئے کہ بادشاہ سلامت آزردہ ہو رہا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے عزّت دی ہے اور میں کوئی اتنا برا آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ اچھا آدمی ہوں، میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، آپ تشریف لائیں۔ درویش نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں قلعے کے پاس سے روزانہ گزرتا ہوں، مجھے سیڑھی کے راستے سے نہیں چڑھنا آتا، بادشاہ سے کہو کہ وہ کھڑکی کے راستے سے ایک پالکی نیچے بھیج دے، میں اس میں بیٹھ جاؤں گا، آپ اس کو اوپر کھینچ لینا، تو اس طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ بادشاہ نے پالکی بھیجی اور درویش کو اوپر کھینچ لیا گیا۔ وہ آگئے تو بادشاہ کہنے لگا کہ میں نے آپ کو بلایا ہے اور آپ کو بڑی تکلیف دی ہے لیکن آپ میرے ایک سوال کا جواب ضرور دیں، میرا سوال یہ ہے کہ آپ کو یہ ولایت اور فقیری کیسے ملی؟ اس درویش نے فرمایا کہ میں تو آپ کے گھر میں جواب دے کر آیا ہوں یعنی اس کا جواب تو میں نے پہلے ہی آپ کو دے دیا ہے! بادشاہ کہنے لگا کہ میں سمجھا نہیں ہوں کہ آپ نے کیسے جواب دیا ہے! درویش نے کہا کہ میں قلعے میں سیدھے راستے سے نہیں آیا ہوں یعنی محنت والے راستے سے بلکہ میں نے آپ کو کہا کہ پالکی بھیج دیں، جس طرح آپ نے مجھے بلا لیا، اوپر کھینچ لیا، اسی طرح اللہ نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور اللہ نے یوں مجھے عرفان عطا فرمادیا! تو عرفان

حاصل کرنے کا ایک تو یہ طریقہ ہے کہ آپ وظیفہ پڑھتے جائیں اور محنتیں کرتے جائیں تو پھر نتیجہ نکلے گا۔ جیسے فصل کا موسم آتا ہے کہ چیت آئے گا تو فصل پکے گی ورنہ نہیں پکے گی۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ بنی بنائی چیز آپ کی جھولی میں ڈال دی۔ تو ایسا طریقہ بھی ہوتا ہے۔ تو بعض اوقات کچھ بنانا پڑتا ہے' اور بعض اوقات بنا بنایا ملتا ہے۔ تو یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے ہیں کہ بعض اوقات آپ کو بنانے کا شعور دے دے' وسیلے کا شعور دے دے اور بعض اوقات بے سبب ہی کرم کر دے وترزق من تشاء بغیر حساب "اور جس کو میں چاہتا ہوں بے حساب اور بے سبب دیتا ہوں" کیونکہ وہ مسبّب ہے' اسباب کو Create کرنے والا ہے' خود ہی اسباب کے ذریعے سے دے سکتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی دے سکتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے کام ہیں کہ وہ کس طرح عطا کرتا ہے۔ اس کی عطا اور اس کی نوازشوں کا فارمولا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہر فارمولا خود ہی توڑا ہے مثلاً" اللہ فرماتا ہے کہ محنت کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور کبھی محنت کے بغیر ہی کامیاب کر دیتا ہے۔ اور یہ کہ میرے پاس گناہگار آئے گا تو اس کو سزا دوں گا اور جس کو چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں بلکہ اس کی بدی کو نیکی میں بدل دیتا ہوں۔ ایسے شخص کے گناہوں کے باوجود اس کی نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہم اس کے سئیات کو حسنات میں بدل دیتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے کام ہیں۔ اس کے فارمولے کے علاوہ بھی اس کے اپنے کام ہیں۔ مثلاً" سبب کے ساتھ بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن باپ کے بغیر بھی بچہ پیدا ہوتا ہے' اللہ نے حضرت آدمؑ کو باپ کے بغیر پیدا فرمایا ہے اور آپ

کو علم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ بعض اوقات ساری عمر فارمولا ہی چلتا رہتا ہے اور بعض اوقات بغیر فارمولے کے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ آپ یہ یاد رکھو کہ "نشاء" کا لفظ جو ہے یعنی "اللہ کی مرضی" کا لفظ جو ہے اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے سب کچھ دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ چاہنا بھی اسی کا ہے اور وسیلہ بھی اس کا ہے' وسیلے کے ذریعے سے بلا لے تب بھی اسی کا ہے' وسیلے کے بغیر بھی بلا لے' تب بھی اسی کا ہے۔ دراصل بلانا اسی نے خود ہی ہے' جس راستے سے وہ مرضی بلا لے اور داستان اس کی اپنی ہے' فراق عطا کر دے تو اس کی مرضی ہے اور وصال کرا دے تو اس کی مرضی ہے۔ ایک فقیر نے ایک شخص سے کہا کہ ذکر شروع کرو' یعنی اللہ ہُو کا ذکر۔ اللہ ہُو' اللہ ہُو کا ذکر شروع ہو گیا تو کپڑے پھاڑ کے جنگل میں چلا گیا کیونکہ اس کو ذکر میں لطف آنے لگ گیا تھا۔ پھر اس فقیر نے کہا کہ دیکھو آپ اس طرح کرو کہ تھوڑا سا منہ کھولو تاکہ میں اس میں تھوڑا سا دم کر دوں مگر وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے دم نہیں چاہئے کیونکہ جو میرے پاس موجود ہے یہی کافی ہے۔ اب "اللہ ہُو" کا ذکر اس کے پاس ہے' اس میں جوش ہے اور مستی ہے اور ذکر میں وہ شخص ذکر دینے والے کو بھول گیا۔ تو ذکر دینے والے کا خیال رکھنا چاہئے کیونکہ سارا کھیل ہی اس کا ہے۔ تو ہر دم اللہ کا خیال رہنا چاہئے۔ آپ اللہ کی طرف رجوع رکھیں' اگر وہ دے دے تو یہ اس کا کام ہے اور نہ دے تو بھی یہ اس کا کام ہے' بس آپ کا تعلق اس سے ٹوٹنا نہیں چاہئے۔ ایسا انعام جس میں تعلق ٹوٹتا ہوا لگتا ہے وہ انعام آزمائش ہے۔ ہوتا تو وہ

انعام ہی ہے کہ اللہ کا فضل ہو گیا، پیسے مل گئے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے پیسوں سے بچائے کہ آپ اس قدر مصروف ہو گئے۔ اب یہ جو مصروفیت ہے یہ اس شخص کو نعمت دینے والے سے دور کر رہی ہے۔ تو آپ اس نعمت سے بچیں جو آپ کو منعم سے دور کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے علاوہ کسی سے محبت نہ کرو، پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان کیا کہ حضرت یوسفؑ کے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ ان کی جدائی میں بینائی چلی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو بڑا خوبصورت قصہ قرار دیا ہے، احسن القصص قرار دیا ہے۔ تو باپ کو بیٹے سے اتنی محبت بھی ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں ہے کیونکہ اس محبت میں باپ بیٹا دونوں پیغمبری کا راستہ طے کر گئے۔ تو اللہ کے راستے پر چلنے والے آپس میں محبت کریں تو شرک نہیں ہے اور اللہ کے راستے کے علاوہ جو محبت ہوگی وہ شرک ہے۔ دو مسافر اگر اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ سے جذباتی شدّت میں محبت کرتے جائیں تو وہ شرک نہیں ہے بلکہ وہ محبت لازمی ہے۔ تو شرک یہ ہوا کہ اس انسان سے محبت جو شریکِ سفر ہو اور شریکِ عاقبت نہ ہو، جو شریکِ سفرِ توحید نہ ہو اور جو شریکِ سفرِ رسالتؐ نہ ہو۔ تو دنیاوی عشق جو ہے وہ شرک ہے اور اللہ کا عشق جو ہے وہ حقیقت ہے۔ تو عشق جو ہے وہ عین شرک بھی ہے اور عین حقیقت ہے۔ اس لئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیروں سے بچو کیونکہ یہ شرک ہے تو وہ ٹھیک کہتے ہیں کیونکہ اگر پیروں کی محبت انسان کی طرف لے جاتی ہے تو شرک اور اگر یہ آپ کو مقامِ رسالتؐ کی طرف لے کر چلی ہے تو پیر سے محبت کرنا عین خدا سے محبت کرنا ہے۔

اب یہ آپ کے ارادے کی بات ہے۔ وہ عشق جو آپ کو راہِ توحید کی طرف لے چلے وہ عین توحید ہے اور وہ عشق جو توحید کے راستے سے روکے وہ شرک ہے چاہے وہ پیر کا عشق ہو۔ اگر اللہ کے راستے سے پیر صاحب روک رہے ہیں اور اپنے راستے پر چلا رہے ہیں تو یہ شرک ہے۔ اگر پیر صاحب اور مرید ایک دوسرے کے لیئے دنیاوی مفاد کے کام کر رہے ہیں تو دونوں کے لیئے بربادی ہے۔ تو وہ عشق جو سارے کا سارا دنیا کا کاروبار کرے وہ سارے کا سارا شرک ہے۔ تو ایسے عشق سے بچ جانا چاہئے۔ وہ عشق جس سے آپ دنیا میں غرق ہو جائیں وہ عشق نفس والا عشق ہے اور جس نے حقیقی عشق نہ کیا اس نے کبھی فلاح نہ پائی۔ تو جو دنیاوی عشق میں رہ گیا وہ برباد ہو گیا اور جس نے حقیقی عشق نہ کیا وہ بھی برباد ہو گیا۔ تو اس لیئے یہ ضروری بات ہے کہ آپ اپنے اس راستے پر چلیں جو راستہ آپ کو فلاح کی طرف لے چلے ورنہ یہ شرک ہو جائے گا۔ اگر آپ نے پیر کو پیر سمجھ کر اس کی ذات تک محبت کی ہے تو دونوں غرق ہو جائیں گے اور اگر اس کو اللہ، نشان یا Indicator سمجھ کر محبت کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر Indicator نہ ہو تو پھر سارا ہی غلط ہے اور سارا ہی فیل ہونے کا پروگرام ہے۔ اگر مقصد اللہ نہ ہو تو پھر پیر خانے اور پیروں کی مجالس غلط ہوں گی کیونکہ درمیان میں ان کی اپنی ذات آجاتی ہے۔ آپ پارٹیوں اور کمیٹیوں میں نہ پڑیں بلکہ صرف اللہ کے راستے کو تلاش کریں۔ حبیب پاکؐ پر درود شریف پڑھتے رہیں۔ یہاں صرف چار دن کا میلہ ہے، وہ خیریت سے گزارنا ہے، آپ اپنا رُخ سیدھا کرتے جائیں اور اللہ کے راستے کے لیئے پیر صاحب سے ملا کریں

کیونکہ صرف پیر صاحب کی ذات تک رہ جانے والا گمراہ ہو گا۔ اس لیئے آج کل دوسرے فرقوں میں نفس کا غلبہ اتنا نہیں جتنا آپ لوگوں میں ہے۔ پیر صاحب لوگوں کو کیمیا بنانے میں، نسخے بنانے میں اور اپنی محبت میں مبتلا رکھتے ہیں۔ یہاں سے بات میں فساد آ جاتا ہے۔ ورنہ محبتِ توحید ہی تو اصل چیز ہے۔ آپ کو مشکل سے کوئی ایسی مثال ملے گی کہ کسی شخص کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہو۔ تو اللہ کی محبت بھی ہونی چاہیئے اور اللہ کی طرف لے جانے والے بندے کی محبت بھی۔ اگر ایسے بندے کی محبت نہ ہو تو یہ بھی شرک ہے۔ شیطان نے کہا تھا کہ یا اللہ میں تیرے ساتھ محبت کر سکتا ہوں لیکن تیرے بندے کے ساتھ محبت نہیں کر سکتا، تیرا سجدہ کر سکتا ہوں اور کرتا رہوں گا لیکن تیرے بندے کا سجدہ نہیں کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم Get out ہو جاؤ، یہاں سے نکل جاؤ۔ تو شیطان کون ہوا؟ جو توحید کو تو مانتا ہے لیکن رسالت کو نہیں مانتا۔ تو اس لیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دیں کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، تب ہی اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تو حضور پاکؐ کی اطاعت ہی اللہ کی محبت ہے اور یہ طریقت ہے۔ تو طریقت یہ ہے کہ ہم اطاعت بھی کرتے ہیں اور محبت بھی کرتے ہیں۔ تو اتنی سی بات ہے کہ جس سے اللہ محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں جھگڑے والی بات ہی نہیں ہے۔ اگر درود شریف اور تلاش کا معنی تھوڑی دیر کے لیئے محبت سمجھ لو تو ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما یعنی اللہ اور اس

کے فرشتے حضور پاکؐ پر درود بھیجتے ہیں اس لئے اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ تو آپ حضور پاکؐ سے ضرور محبت کرو۔ اگر درود شریف کا معنیٰ محبت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تو کہانی بالکل واضح ہے کہ اللہ اور اللہ کے فرشتے حضور پاکؐ سے محبت کرتے ہیں، تو اے ایمان والو تم بھی ان سے محبت کرو۔ تو حضور پاکؐ سے محبت جو ہے یہ بھی توحید ہے۔ سجدہ اللہ تعالیٰ کا کرو اور محبت حضور پاکؐ سے کرو، آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام حضور پاکؐ کے ذریعے سے ملیں گے، پہلے بھی ملتے رہے ہیں اور اب تازہ بھی مل سکتے ہیں۔ تو حدیث کیا ہے؟ یہ حضور پاکؐ کی زبان مبارک سے فرمایا ہوا لفظ ہے۔ اگر آج کسی کو حضور پاکؐ کی زیارت ہو جائے اور حضور پاکؐ اس کو کچھ فرمائیں تو وہ کیا ہو گا؟ وہ بھی حدیث ہی ہو گی۔ اسے حدیثِ تازہ، حدیثِ نو کہیں گے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو حضور پاکؐ کے منہ مبارک سے بات نکلی اسے ہم حدیث کہیں گے اور وہ بھی حدیث ہو گی۔ اس لئے محبت کس سے کرنی ہے؟ اللہ کے راستہ پر لے جانے والے کے ساتھ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ جامد شے سے محبت کریں۔ جامد کے معنیٰ رُکی ہوئی شے ہے اور وہ دنیا سے محبت کرنے والی شے ہے۔ تو اگر اس شے کی طرف آپ راغب ہو جائیں تو پھر یہ جو منبع ہے یہ غیر اللہ ہے اور اگر "اِلی اللہ" یعنی کہ اللہ کی طرف لے جانے والی محبت آپ کو مل جائے تو آپ کو وہ محبت عین اللہ کی طرف لے جائے گی۔ تو یہ سفر مع اللہ ہے۔ مع اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ سفر۔ تو Genuinely، اللہ والوں کے ساتھ سفر جو ہے یہ مع اللہ ہے۔ آپ ان باتوں پر ذرا غور کرو تو آپ کا سارا مسئلہ

حل ہو جاتا ہے۔ تو بات یہ ہو رہی تھی کہ سبب کے ساتھ ملنے والی بات اور ہے لیکن سبب کے بغیر بھی اللہ دے سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سبب کے ساتھ دے اور اگر چاہے تو بے سبب دے دے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مجاز کے ذریعے سے اپنا راستہ طے کرا دے اور اگر چاہے تو دوسرے راستے سے طے کرا دے۔ یہاں یہ احتیاط رکھنی چاہئے کہ وہ مجاز جو اللہ کے علاوہ نکل آئے اسے مجاز نہ کہنا، وہ مجاز نہیں ہے بلکہ وہ رُکاوٹ ہے۔ مجاز جو ہے یہ حقیقت کے ایک رُوپ کی بات ہوتی ہے اور وہ مجاز جو اللہ کی طرف لے جائے وہ ٹھیک ہے۔ وہ جو دنیا کے اندر غرق ہے، پیسے سے محبت میں ہے، اشیاء سے محبت کرتا جا رہا ہے، مکان سے بھی محبت کرتا جا رہا ہے، وہ اندر ہی اندر غرق ہوتا جا رہا ہے۔ تو یہ محبت جو ہے یہ مجاز نہیں کہلاتی بلکہ یہ غیر اللہ کی محبت کہلاتی ہے۔ محبت تو آپ ضرور کریں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ انسان محبت ضرور کرے گا اور ہر آدمی محبت کرے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہو یا غیر اللہ سے کرتے ہو۔

یہ اللہ کی مرضی ہے، بات پوری کرے یا نہ کرے۔ وہ باری تعالیٰ تو پیغمبر سے کہتے ہیں کہ میں تم سب پر عذاب ڈالنے والا ہوں، پیغمبر نے سب کو بتا دیا کہ عذاب آنے والا ہے لیکن عذاب نہیں آیا اور لوگ پیغمبر کے گرد جمع ہو گئے کہ جناب آپ نے ابھی یہ کہا تھا مگر یہ تو نہیں ہوا تو پیغمبر نے کہا کہ میں اللہ سے پوچھتا ہوں کہ بات کیا ہوئی ہے، میری بات جھوٹی کیوں ہو گئی ہے۔ جب اس راز کو انہوں نے پوچھا تو اللہ نے کہا کہ اس عذاب کو میں نے کسی کی دعا سے ٹالا ہے۔ تو پیغمبر کو اللہ نے کہا کہ

اب ذرا مچھلی کے پیٹ سے گزرو کیونکہ یہ ہماری مرضی کی بات ہے کہ ہم نے کہا کہ عذاب دیں گے، لیکن ہم نے عذاب نہیں دیا تو تب بھی ہماری مرضی ہے کیونکہ میری بادشاہت کے اندر شریک کون ہے! اللہ نے کہا کہ اے آدمؑ! اس درخت کے قریب مت جانا۔ اللہ نے اس کی وجہ نہیں بتائی کہ کیوں نہیں جانا۔ پھر انسان کے ساتھ عقل لگا دی گئی، اسے شعور دے دیا گیا۔ آدمؑ اپنے آپ کو سمجھاتے رہے کہ یہ ہے کیا، کیا کوئی خزانہ ہے، ہر شے مل رہی ہے، کھانے کو مل رہا ہے، پینے کو مل رہا ہے، انہیں یہ سمجھ آئی ہے کہ انسان کو اکیلا نہیں ہونا چاہئے، کوئی بندہ یا ساتھی ہونا چاہئے، پھر حضرات حواؑ تشریف لے آئیں، ان دونوں نے کھوج لگایا کہ اس درخت میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بالکل صاف کہہ دیا کہ اس کو نہ چھونا، یہ Arbitrary will ہے حکمِ خداوندی ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیوں؟ ایسی صورت میں شیطان کو شیطانی نصیب ہو گئی اور اس نے حضرت حواؑ کے دل میں یہ بات ڈالی اور کہا کہ میں اس کی وجہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے منع کیا ہے کیونکہ اس درخت کا پتہ کھانے سے تم زیادہ خوبصورت ہو جاؤ گی، کتابوں والے یہی بتاتے ہیں۔ حضرت حواؑ نے وہ پھل کھا لیا اور پھر Fall یعنی زوال شروع ہو گیا۔ حضرت آدمؑ نے سوچا کہ میرا ساتھ تو جا رہا ہے، انہوں نے کہا کہ ایسی بہشت کیا ہے جس میں ساتھی نہ ہو۔ اس طرح وہ بھی زمین کی طرف چلے گئے۔ پھر استغفار کا سفر شروع ہوا اور استغفار کا سفر جو ہے یہ عروج کا آغاز ہوتا ہے۔ نعمت سے بغاوت زوال کا آغاز ہے اور استغفار کا سفر عروج کا آغاز ہے۔ استغفار کا سفر چلتا چلتا معراج شریف کے عروج پر

جا کر مکمل ہوا۔ آج مومن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ وہاں جانا ہے جہاں سے ہم نکلے تھے۔ جنت کیا ہے؟ جہاں سے آپ نکلے ہیں یا جہاں سے آپ آئے ہیں، وہاں دوبارہ جانے کی خواہش کا نام جنت ہے۔ جس چیز کو کھو دینے کے بعد اس کی تلاش باقی ہو، وہ جنت کہلاتی ہے۔ تو جنت کیا ہوتی ہے؟ جس صفت کو کھو دینے کے بعد اس کی تلاش شروع ہو جائے اس کا نام جنت ہے۔ جس حاصل کے بعد اس سے نکلنے کی تمنّا ہو، وہ دوزخ ہے۔ تو دوزخ کیا ہے؟ جو چیز حاصل ہو گئی اب اس سے جان چھڑانے کی خواہش ہو تو اس کو دوزخ کہتے ہیں۔ آپ زندگی میں جو چیز ضائع کر بیٹھے ہیں اور وہ دوبارہ حاصل کرنا چاہیں تو وہ جنت ہے۔ تو انسان کہتا ہے کہ پھر جذبۂ دروں عطا کر، مجھے پھر پرانی شراب عطا کر، شرابِ سخن پھر پلا ساقیا لور یہ کہ ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی! تو وہ نعمت جس کے چھن جانے کے بعد انسان اس کی تلاش میں سرگرداں رہے وہ جنت کہلاتی ہے۔

آدمی کے لیئے وہی جنت ڈھونڈنے چل پڑے جسے کھوکر

جہاں سے آپ نکلے ہوں لور پھر اسی گلی کی تمنّا ہو تو وہ جنت کہلاتی ہے۔ تو پھر دوزخ کیا ہے؟ جس چیز کے آنے کے بعد اس سے نجات کی خواہش پیدا ہو جائے وہ دوزخ ہے۔ جس دور کے اندر آپ دور سے نجات چاہتے ہوں تو اس دور کا نام دوزخ ہے اور وہ دور جو آپ کہتے ہیں کہ دوبارہ آئے، وہ جنت ہے۔ مسلمانوں کو کس دور کی تمنّا ہے؟ وہ دور جنت تھا۔ اس لیئے آپ ان باتوں کو دیکھیں کہ آدمی تحقیق کرتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ Pure اپنی مرضی کا مالک ہے اور کسی کی سفارش

نہیں سنے گا اور اگر آپ کی سننا شروع ہو جائے تو آپ تو اس سے کہہ کر سارا نظام ہی بدل دیں۔ اللہ تعالیٰ اگر سننے پر آجائے تو چیونٹی کی فریاد سنے اور اگر نہ سننے پر آجائے تو امتیں گزر جائیں، ملتیں گزر جائیں اور اس کو پرواہ نہیں ہوتی، اسے کیا پرواہ ہے کیونکہ وہ مالک ہے جو چاہے کرے، اس لئے آپ یہ کہیں اے اللہ تعالیٰ تو جو چاہے کر، کرے گا تو اپنی مرضی اور پھر فریاد کی کوئی لے بھی نہیں ہے کہ ہم اس طرح سے آپ سے فریاد کریں، تو ہمیں بہتر ہی جانتا ہے اور ہم آپ کو جانتے نہیں ہیں، ہمیں تو یہ نہیں پتہ کہ ہم کس الفاظ سے کیا کہیں، جو کہا جائے وہ بھی سنتا ہے اور جو نہ کہا جائے وہ بھی تو جانتا ہے، تو پھر آپ ہی ہمارا فیصلہ کر اور ہمارا فیصلہ بھی آپ ہی سنا۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ مانگنے والا عام طور پر اپنے حقوق سے اپنے آپ کو خود ہی محروم کرتا ہے، مثلاً" کسی کے بارے میں اللہ کے ہاں سوچا جا رہا ہے کہ اس کو بادشاہ بنا دیں، فیصلہ ہونے والا ہے، اتنے میں اس بندے کی درخواست آجاتی ہے کہتا ہے یااللہ مجھے A.S.I لگا دیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مانگنے والا عام طور پر اپنے آپ کو اپنے حقوق سے خود ہی محروم کر دیتا ہے۔ اگر مانگنا ہے تو عقل مانگو، شعور مانگو، اس سے مانگنے کا شعور مانگو۔ مگر سب سے بہتر ہے کہ آپ خاموش ہی ہو جائیں، بن مانگے کھڑے ہو جائیں، سائل وہ، جو سوال نہ کرے کیونکہ یہ بارگاہِ صمدیت ہے! سائل کون سا اچھا ہے؟ جو سوال نہ کرے۔ اور جو سوال نہیں کرے گا وہ وہیں ٹھہرا رہے گا۔ یہ اس نے بڑا کمال کر دیا ہے کیونکہ دینے والے کا ساتھ ہو تو پھر لینے کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ جو مانگ کر لے گئے پھر ان کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اور جس کے پاس

دینے والے کا ساتھ ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے تو ہم نے لینا ہی کچھ نہیں ہے۔ جس کو ملا وہ وہاں سے چلا گیا۔ اللہ نے جن کو اپنا بنا کر رکھا تو پھر ان کو اپنا بنا کر رکھا۔ بس آپ دینے والے کے پاس رہیں اور لینے کی کوشش نہ کریں کیونکہ جس کو مل گیا، پھر اس کو دور بھیج دیا گیا کہ آپ اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔ عام طور پر جب کسی انسان کو رُوحانی طور پر سرفراز کیا جاتا ہے تو اس کی ٹرانسفر ہو جاتی ہے یعنی اس کو دوسری منزل پر بھیج دیا جاتا ہے۔ اس لیئے اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ پکّے رہیں، اللہ تعالیٰ نے مانگے بغیر ملے گا جس طرح سے اس نے آنکھ دی ہے، بینائی دی ہے، شعور دیا ہے، ذہن دیا ہے، اولاد دی ہے اور ماں باپ دیئے ہیں۔ جس طرح اس نے ہر چیز مانگے بغیر دی ہے تو وہ اور بھی مانگے بغیر دے گا۔ آپ اس کے کام اس کے حوالے کریں۔

سوال :۔

سر! جب مانگے بغیر ہی ملنا ہے تو پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب :۔

مانگے بغیر تب ملے گا جب آپ مانگے بغیر ملنے کی آرزو بھی چھوڑ دیں۔ مانگے بغیر وہ لے بھی کیا سکتا ہے، یہ سوچنا کہ مانگے بغیر ملتا ہے تو یہ بھی مانگنے کی تمنا ہے۔ ملتا ہے یا کہ نہیں ملتا ہے، ہوتا ہے یا کہ نہیں ہوتا ہے، دے دے گا یا پھر نہیں دے گا، یہ سب اس کے کام ہیں۔ آپ صرف اللہ سے محبت کرتے جائیں اور محبت جو ہے وہ انجام سے مبّرا ہو، انجام فراق ہے یا انجام وصال ہے، دونوں باتیں اللہ کے لیئے رکھیں۔ اللہ

کے ہاں وصال بھی فراق ہے اور فراق بھی وصال ہے۔ جب تک آپ اللہ سے دور رہیں گے تو آپ اس کی محبت میں قائم رہیں گے اور جب قریب آئیں گے تو۔

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر

اگر وصال ہو گیا تو پھر فراق کے لطف سے آشنا تو ہو گئے۔ اللہ کے قریب یا دور سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہاں زیادہ فاصلے اور کم فاصلے دونوں برابر ہیں’ اللہ کے ہاں قریب اور بعید دونوں برابر ہیں۔ اللہ جب بہت مہربانی فرماتا ہے تو اپنے چاہنے والے کے ساتھ آپ کی محبت کرا دیتا ہے اور یہ اس کی مہربانی ہے۔ اور سب سے زیادہ مہربان اس وقت ہوتا ہے جب اپنے سب سے زیادہ چاہنے والے یعنی اپنے حبیب پاکؐ کے ساتھ محبت کرا دے یعنی سب سے زیادہ محبوبؐ کے ساتھ محبت کرا دے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے ساتھ محبت کرا دے تو یہ اس کی مہربانی ہے۔ ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اس راستے پر چلا جن لوگوں پر تیرا انعام ہوا یعنی انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلا۔ انعمت علیھم کا مطلب کیا ہے؟ محبوب! اھد نا صراط المستقیم ہمیں سیدھی راہ دکھا صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کا راستہ جو تیرے محبوب ہیں۔ تو انعمت علیھم کون ہو گا؟ محبوب’ کیونکہ انعام تو محبوب کو دیا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا اللہ تعالیٰ سیدھی راہ دکھا’ ان لوگوں کی راہ جو تیرے محبوب ہیں یعنی ان لوگوں کی راہ دکھا جن کے ساتھ تیری محبت ہے اور جن کو آپ سے محبت ہے اور ہمیں ان لوگوں کے قریب نہ کر جن کو تیرے ساتھ محبت نہیں ہے۔ یہ مغضوب لوگ ہیں اور مغضوب کون ہو گا؟ جو اللہ

سے محبت نہیں کرتا۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محبت والے قرآن کا ترجمہ اور طرح سے کرتے ہیں۔ محبت والوں کے لیئے "رزق" کمانا بھی ہے اور وہاں رزق محبت بھی ہے۔ تو محبوب کون ہے؟ یہ اصل طریقت ہے اور اس راستے کو کچھ مشائخ کرام نے خراب کیا اور یہ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کتے پالنے شروع کر دیے، شکاری بن گئے اور کچھ تو ناچ گانے تک چلے گئے۔ یہاں آکر پریشانی ہو جاتی ہے۔ اب قوالی جاری ہے لیکن Spiritual قوالی، رُوحانی قوالی بند ہو گئی، قوالی کی رُوح ختم ہو گئی اور کچھ مشائخ کرام نے اس کو کچھ بازی گری بنا دیا۔ تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ وہ خانقاہیں اور بزرگوں کے وہ قدیم نام تو آج بھی زندہ ہیں، وہ لوگ تو ایک خاص مقام والے لوگ تھے۔ تو ان مشائخ کے بزرگ جو ہیں وہ بڑے قیمتی لوگ تھے، وہ دن کو جاگتے تھے اور رات کو رویا کرتے تھے مگر جو بعد میں خلیفہ در خلیفہ آئے تو یہ بات کو بگاڑ بیٹھے۔ اس لیئے لوگ پریشان ہو گئے۔ آپ لوگ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو گدی کی وراثت سے محروم نہ کرے اور گدیاں وراثت سے بچ جائیں۔ مگر نہ تو پیغمبر کی وراثت ہوتی ہے اور نہ پیر کی وراثت ہوتی ہے۔ پیر کی وراثت کون ہے؟ اس کا چاہنے والا، بس وہ جہاں بھی ہے، وراثت ہے۔ تو اپنے پیر کی محبت والا جہاں وہ ہے وارث ہے۔ اب آپ ایسی خانقاہ کو بند کر دیں کیونکہ اس میں عافیت والی بات نہیں۔

سوال :۔

جس طرح بخار کے لیئے تھرما میٹر ہوتا ہے کیا اسی طرح کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ محبت میں صحیح جا رہا ہے؟

جواب :۔

اتنی بات تو آپ کو سمجھ آتی ہے کہ اگر ایک آدمی آپ کی نگاہ میں آیا اور آپ اس سے کہتے ہیں کہ آپ آج کچھ پریشان لگ رہے ہیں یا کسی کو یہ کہتے ہیں کہ لگتا ہے کہ آپ اتنی دور سے آئے ہیں کیونکہ مٹی مٹی ہو گئے ہیں۔ یا کسی کو دیکھ کے کہتے ہیں کہ خدا نخواستہ کیا بات ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم قبر کے لیئے گئے تھے۔ تو آدمی کی شکل سے صاف پتہ چل جاتا ہے۔ اگر کوئی خوفناک چہرہ سامنے آئے تو شکل سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ عزرائیل کے خاندان سے ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چہرہ جو ہے وہ Reveal کرتا ہے' آدمی کے دل کی بہت ساری حالت' ان لوگوں کے سامنے' جو دل کا حال چہرے کے ذریعے پڑھ سکتے ہیں۔ اب یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ چہرہ Reveal بھی کرتا ہے اور چہرہ Conceal بھی کرتا ہے یعنی چہرہ ظاہر بھی کرتا ہے اور چھپاتا بھی ہے۔ مثلاً" ایک آدمی بظاہر بڑی عبادت کرتا ہے مگر اندر سے خطرناک ہے ۔

بگلا کھڑا ندی کنارے کہے رام رام رام
اک مچھلی جو بھیجو میں تجھ کو مانوں رام
مچھلی بولے رام سے رام رام رام
اس موذی کو ماریو تب ہم جانیں رام

رام کہے دونوں سے تم دونوں جھوٹے ہو
رام سے مانگو رام کو پھر کچھ اور کہو

آپ لوگ تو آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں جیسے کہ بگلا کہتا ہے کہ میں مچھلی کھاؤں گا اور مچھلی کہتی ہے مجھے بگلے سے بچا۔ آپ پہلے اللہ سے اللہ کی محبت مانگیں پھر آپ کو بات سمجھ آجائے گی۔ تو پھر محبت کی کہانی محبت کرنے والے کو سمجھ آجاتی ہے اور یہ محبت والے کی آنکھ سے پتہ چل جاتا ہے۔

دل افسردہ، لب خشک، آنکھیں پُرنم
مگر مسکرائے چلا جارہا ہے

ایسا شخص محبت والا ہے جس کا دل افسردہ ہے، لب خشک ہیں، آنکھیں پُرنم ہیں، روتا جارہا ہے، بے سبب روتا ہے اور بے وجہ ہنستا ہے اور اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ باتیں جاننے والے جانتے ہیں کہ محبت ہوگئی۔ محبت اگر اپنا گل کھلا جائے تو یہ اس کے چہرہ پہ عیاں ہو جاتی ہے۔ محبوب عام طور پر چہرے پر سارے فسانے لکھ جاتا ہے۔ شب بیداری کا پتہ چل جاتا ہے، دن کے واقعات کا پتہ چل جاتا ہے لور چہرے سے پتہ چل جاتا ہے کہ آدمی کدھر جانے والا ہے۔ تو سارا واقعہ چہرے پر لکھا ہوتا ہے کہ صحیح جارہا ہے یا غلط جا رہا ہے۔ جس کو اپنا محبوب یاد ہے تو وہ صحیح جارہا ہے چاہے وہ بازار اپنا سودا لینے جا رہا ہے۔ ہر وقت آدمی محبوب کے گھر نہیں جا سکتا بلکہ کبھی سبزی بھی لانی ہے، کبھی گھر کا سودا سلف بھی خریدنا ہے، دفتر بھی جانا ہے اور حاضری بھی لگانی ہے۔ محبوب یہ ہے کہ آپ کے ارادے کا رُخ بن جائے۔ اگر ارادہ ایک رُخ کا ہو جائے

تو پھر محبوب ہی محبوب ہے۔ محبوب کا سفر فزیکل نہیں ہے بلکہ یہ کیمیکل ٹائپ کا ہے، یہ Eternal ہے، دائمی ہے، Spiritual ہے، رُوحانی ہے، خیال ہے، ارادہ ہے اور اندر کی بات ہے۔ محبوب معلّم ہوتا ہے۔ وہ خیال کا معلّم ہوتا ہے جو آپ کے اندر ہمہ حال رہتا ہے۔ تو آپ کی زندگی کا معلّم کون ہے؟ وہ خیال جو ہمہ حال آپ کے ساتھ رہے اور پھر وہی خیال آپ کو اوپر نیچے لاتا ہے۔ جیسے ہی آپ دیکھیں کہ وہ خیال ٹوٹ رہا ہے تو پھر آپ یہ سمجھیں کہ کہیں غلطی ہو گئی۔ یہ خیال بڑی طاقت ور چیز ہوتا ہے۔ جو خیال کسی کا دیا ہوا ہوتا ہے، معلّم کا یا کسی پیر صاحب کا یا کسی محبوب کا، تو یہ دیا ہوا خیال بڑی طاقت ور چیز ہوتا ہے، یہ خیال بڑا تیز رفتار ہوتا ہے۔ بعض اوقات آپ غلطی کرنے لگ جاتے ہیں اور اگر پیر صاحب آپ کے سامنے ہوں تو وہ غلطی ان کے سامنے تو نہیں ہو گی۔ لیکن یہ خیال ایسا ہے کہ ذرا اس کے مخالف چل پڑیں تو فوراً یہ خیال ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہیں کیا ہوا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا بیڑہ غرق یہیں پر ہوا ہے اور یہ سب ابھی ابھی ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ٹوٹ گیا ہوتا ہے۔ پھر وہ چیختا ہے، چلاتا ہے، اللہ سے فریاد کرتا ہے، استغفار کرتا ہے۔ ایک کہانی سن لو۔ ایک بہت بڑے درویش تھے، بہت ہی نیک سیرت اور خوبصورت تھے، ویسے تو سارے ہی درویش خوبصورت ہوتے ہیں۔ اس درویش کا بڑا چرچا تھا۔ اسی شہر کے اندر ایک تاجر رہتا تھا اور تاجر شادی شدہ تھا۔ تاجر نے سوچا کہ جب میں تجارت کے لیئے جاؤں گا تو پیچھے اپنی بیوی کو کہاں اور کس کے پاس رکھ جاؤں گا کیونکہ مجھے تو دو چار مہینے لگ جائیں گے۔ تو اس نے سوچا کہ یہ

جو درویش اپنے بھائی اور دوست ہیں ان کے ہاں بیوی کو رکھ کر تجارت کے لیئے چلا جاؤں گا۔ وہ درویش عبادت میں لگے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ اپنی بیوی کو اندر زنان خانے میں بھیج دو۔ سب کام چلتا رہا۔ ایک دن درویش کو پانی کی ضرورت پڑی، انہوں نے اندر آواز دی کہ پانی دو تو تاجر کی بیوی نے اندر سے ہاتھ نکال کر پانی دیا۔ اب درویش کی نگاہ اس کے ہاتھ پر پڑی تو اس نے "آنا" فانا" تخیّل میں عورت بنا لی کہ جس کا یہ ہاتھ ہے تو اس کی شکل کیسی ہو گی۔

ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

ہوس ہی تصویر بناتی ہے۔ ایک ہوتی ہے ہوس اور ایک ہوتی ہے محبت۔ محبت میں پرستش ہوتی ہے۔ تو محبت کیا ہوتی ہے؟ محبت پرستش کی حد تک ہوتی ہے کہ اس کو دیکھا تو پاکیزہ ہو گئے اور اگر نفس کی خواہش پیدا ہو گئی تو پھر ساری محبت ختم ہو جاتی ہے، حیوانیت باہر آجاتی ہے۔ تو اس عورت کا ہاتھ دیکھ کر اس درویش نے اس کی شکل و صورت کا نقشہ بنا لیا۔ پھر اس درویش کے اندر نے چیخ ماری کہ میں لٹ گیا، میں برباد ہو گیا۔ وہ جو اندر فولادی طاقت تھی وہ غائب ہو گئی یعنی وہ رُوحانی طاقت جو اس کے پاس تھی وہ ساری غائب ہو گئی۔ تب وہ چیخیں مار رہا تھا اور کپڑے پھاڑ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا، میں لٹ گیا، برباد ہو گیا بلکہ گھر کے اندر ہی برباد ہو گیا، میں نے تو بس اتنا ہی خیال کیا تھا کہ یہ کون سی لڑکی ہو گی اور کیسی ہو گی۔ اور پھر اپنا رابطہ بحال کرانے کے لیئے اس درویش کا سفر شروع ہو گیا، بزرگوں کے پاس، خانقاہوں اور اِدھر اُدھر تا کہ سب کچھ Rehabilitate ہو جائے، بحال ہو جائے،

Reinstate ہو جائے۔ لیکن کوئی شخص یا بزرگ ایسا نہ ملا جو کام کرتا۔ کسی نے کہا کہ آپ کی منزل مشکل سی ہے، آپ فلاں علاقے میں جائیں تو پھر آپ کو وہ بات مل جائے گی کیونکہ وہاں ایک بندہ ہے جو یہ کام کر سکتا ہے۔ تو وہ اس آدمی کے پاس گیا۔ جب وہاں پہنچا تو ایک عجیب و غریب منظر دیکھا کہ وہاں ایک صوفی بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ایک خوب صورت سا، چھوٹا سا لڑکا بیٹھا ہے جس کو وہ شراب پلا رہا ہے، اور اپنی گود میں بٹھا کے وہ اسے پیار کرتا ہے۔ اس درویش نے کہا کہ یہ مجھے کیا Rehabilitate کرے گا، یہ تو مجھے خود ہی کوئی ٹیڑھا سا بندہ لگتا ہے اور مجھ سے زیادہ پریشان حال ہے۔ جب یہ درویش وہاں سے جانے لگا تو اس صوفی نے آواز دی کہ اِدھر آ جاؤ۔ اس بزرگ نے ایک نگاہ کی اور صوفی صاحب کا رابطہ بحال ہو گیا اور وہ اپنے مرتبے پر آ گئے۔ صوفی صاحب کہنے لگے میرا کام ہو گیا یا شیخ! یا شیخ مبارک ہو میرا کام ہو گیا! لیکن یہ سب کیا ہے؟ انہوں نے کہا بات یہ ہے صوفی صاحب کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میں اس سے پیار بھی کرتا ہوں، بیٹے سے پیار کرنے پر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں اور یہ شراب نہیں بالکل خالص شربت ہے۔ میں بیٹے سے پیار کرتا ہوں اور اسے شربت پلاتا ہوں۔ تو صوفی نے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں یہ کام اس لئے کرتا ہوں کہ لوگ اپنی بیویاں میرے پاس نہ چھوڑ جائیں! یعنی میں نے یہ دفاع رکھا ہوا ہے کہ کوئی مجھ پر اعتماد نہ کر لے اور اپنی بیوی نہ چھوڑ جائے تاکہ میں کسی آزمائش میں نہ پڑ جاؤں۔ تو بعض اوقات آزمائش ایسے بھی آجاتی ہے کہ خیال سے ہی انسان ٹوٹ جاتا ہے۔ صرف ایک

خیال آیا اور سارا فقر ٹوٹ کر غرق ہو گیا۔ خیال کی کہانیاں بڑے بڑے درویشوں نے لکھی ہیں۔ ایک راجہ تھا اور وہ راجہ گلی میں سے گزر رہا تھا۔ اوپر دیکھا تو چھت پر ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ راجے کے دل میں خیال آیا کہ اس کو رانی بنانا چاہئے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کو خیال آیا کہ میری رانی تو زندہ ہے، یہ تو مجھے بہت برا خیال آگیا ہے۔ وہ اپنے گرو کے پاس گیا کہ اے مہاراج! میں برباد ہو گیا، میری ہر شے ٹوٹ گئی، محنتیں میری ضائع ہو گئیں اور برباد ہو گئیں کہ میں نے ایسی خواہش کی تھی۔ گرو نے کہا کہ یہ تو بہت برا کیا، وہ تو آپ کی بیٹی جیسی ہوتی ہے اور رعایا کے لیئے راجہ کا یہ خیال بہت برا ہے، تُو اب سیدھا ہی دوزخ میں جائے گا۔ راجہ نے عرض کی کہ کسی طریقے سے بچاؤ۔ گرو نے کہا کہ اس سے بچنا بڑا مشکل ہے لیکن اس کی ایک صورت ہے کہ ہمیشہ رہنے والی دوزخ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تو یہاں پر ہی زندہ جل جاتا کہ تجھے آئندہ آگ کی سولی پر نہ لٹکایا جائے۔ راجہ نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے۔ تو چِتا روشن کی گئی اور لکڑیاں جلائی گئیں اور راجہ اس کی طرف چلا، جب وہ آگ کے قریب گیا تو گرو نے پکڑ لیا۔ کہتا ہے راجہ جی! سزا پوری ہو چکی ہے، آپ کے خیال کا جُرم تھا اور خیال کو سزا مل گئی بس اتنا ہی کام تھا، جسم نے جُرم نہیں کیا تھا کہ جسم کو سزا ملے۔ تو خیال کا جُرم جو ہے یہ بھی بڑا خطرناک جُرم ہوتا ہے۔ فقیری کے اندر بھی خیال کا جُرم ہوتا ہے اور محبت کے اندر بھی خیال کا جُرم ہوتا ہے۔ مثلاً" محبوب کی کلائی کی گھڑیاں آپ پسند کرو تو یہ جُرم ہو گیا، محبوب کا وجود پسند کرو تو جُرم ہو گیا، محبوب سے محبت کے علاوہ اگر آپ

کوئی اور بات کریں تو یہ جُرم ہے۔ آپ کی تلاش تو شادی کے لئے ہوتی ہے اور آپ محبت کے لیئے تلاش نہیں کرتے۔ محبت تو ایک Divinely اللہ کی طرف سے رُوح کی خوراک ہے۔ اگر محبت رُوح کے علاوہ ہے تو ہم اس کو محبت ماننے کے لیئے تیار ہی نہیں ہیں۔ دو رُوحوں کا اِتّصال یا آمنا سامنا یا دو رُوحوں کی ایک دوسرے کی پہچان جو ہے یہ محبت ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی کاروبار ہے تو وہ آپ کا اپنا کاروبار ہے، چاہے آپ گوشت کی دکان بنا لو، چاہے سبزی فروش ہو جاؤ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے اور ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں ہے۔ محبت کسے کہتے ہیں؟ جب رُوحوں کا ایک دوسرے کے اندر جذب ہونے کا جذبہ ہو۔

سوال :۔

حضور! کیا انسان خیال پر کنٹرول کر سکتا ہے؟

جواب :۔

خیال پر کنٹرول صرف محبت کرنے والا کر سکتا ہے۔ جب خیال ایک خیال میں گم ہو جائے تو پھر دوسرے خیال کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ خیال نہ دور کا ہے نہ قریب کا ہے بلکہ یہ نصیب کا ہے۔ یہ نصیب کی منزل ہوتی ہے کہ جب کوئی چاہے عطا کر دے۔ خدا نخواستہ کسی کو گھر سے خبر آجائے کہ فائر بریگیڈ کی ضرورت ہے تو اس کو کوئی غیر خیال کیسے آئے گا، کبھی نہیں آئے گا۔ تو اس کے لئے تو محویّت پیدا ہو جائے گی کہ یہ کام پہلے کرنا ہے۔ جب بہت ایمرجنسی پیدا ہو جائے تو آپ

لوگوں میں محویّت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرا خیال چلا جاتا ہے۔ تو آپ کو محو کرنے والی ایمرجنسیاں ہیں اور حادثے ہیں۔ وہ وقت جب کہ آپ کو محو کرنے والی محبت پیدا ہو جائے تو پھر ہر شے کے اندر محویّت ہو جائے گی۔ تو کثرتِ خیال سے بچنے کا طریقہ واحد خیال ہے اور وحدتِ خیال سوائے محبوب کے اور کوئی نہیں دے سکتا کہ ہمہ حال اسی کا خیال ہو، تنہائی میں اس کا خیال ہو اور محفل میں اس کا خیال ہو۔

یکسوئی کی بات پنہارن سے سیکھ
سب سکھیوں سے بات کرے پر دھیان گگر کے بیچ

تو پانی بھرنے والی لڑکی سر پر گھڑا لیئے سب سہیلیوں سے باتیں کرتی جاتی ہے مگر اس کا دھیان گھڑے کی طرف ہوتا ہے کہ کہیں گھڑا نہ گر جائے اور یہ سلامت رہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ محبت والوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ محبوب کے خیال سے اِک لحظہ غافل نہیں ہوتے۔ تو جب ایسا خیال پیدا ہو گیا کہ انسان محبوب کے خیال سے اِک لحظہ بھی غافل نہیں رہا تو اس سے کثرت خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔ محبوب ہم اس کو کہتے ہیں جس کے خیال میں باقی خیال اور باقی آرزوئیں نثار کی جا سکیں۔ یوں کہہ لو کہ آپ کے پاس دس آرزوئیں ہیں یا پندرہ خواہشیں ہیں اور آخری وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بس ایک آرزو پوری کر لو اور آپ یہ فائنٹ فیصلہ کرو کہ وہ کون سی آرزو ہے، تو وہ جو آخری آرزو بچ جائے گی اس سے آپ کو محبت ہو گی۔ اس آخری آرزو کو Develop کرنا ہی سارا کام ہے۔ تو وہ آرزو جو باقی آرزوؤں کو کھا جائے وہ محبت ہے۔

اب نہ زمیں نہ وہ زماں اب نہ مکاں نہ لا مکاں
تُو نے جہاں بدل دیا آ کے مِری نگاہ میں

تو محبت میں نگاہ میں ایسی چیز آئی کہ زمین بھی بدل گئی، آسمان بھی بدل گیا بلکہ دونوں جہاں ہی بدل گئے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی نگاہ کو محبوب کی ہر شے بدل گئی۔ تو محبت ایسی چیز ہوتی ہے جو محویّت پیدا کرتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ انسان ہمہ حال اسی حال میں گم ہو جاتا ہے۔ کس کے خیال میں؟ محبوب کے خیال میں۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

انتظار جب آتا ہے تو محویّت کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ انتظار کب آتا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ مہربانی کرے۔ یہ نصیب سے آتا ہے اور زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ کسی گلی سے نکل کر اور کسی موڑ سے نکل کر کوئی بات آپ کو مسرور کر دے۔ ایسے ایسے لوگ آئے اور وہ بڑے درویش تھے، ان کا نام آپ کو بعد میں پتہ چلے گا۔ ایک دفعہ ایک درویش ایک بازار سے گزرے تو وہاں پر "ٹک ٹکا ٹک" کی آواز سے ایک مشین چل رہی تھی۔ تو درویش کی ایسی حالت ہو گئی کہ "اللہ" کا ذکر کرتے کرتے ان پر حال طاری ہو گیا۔ تو مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر "اللہ ہی اللہ" ہو گئی۔ کبھی کبھی ایسا واقعہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجد طاری کر دے، کبھی وہ احسان کر دیتا ہے، کبھی خوشی کا احسان کر دیتا ہے اور کبھی غم کا ایسا احسان عطا کر دیتا ہے کہ ایک غم ایسا آ پڑا کہ انسان جاگ اٹھا۔ تو کبھی خوشیاں جگا دیتی ہیں اور کبھی غم جگا دیتا ہے۔ یہ اللہ کے

کام ہیں کہ جب چاہے بیدار کر دے۔ تو کسی نے اللہ کو قریب آکر دیکھا اور کسی نے دور جاکر دیکھا۔

کسی نے آنکھ کے پردے میں پردہ دار کو دیکھا
کسی نے دار پر چڑھ کر جمالِ یار کو دیکھا

یہ اللہ کی مہربانیاں ہیں کہ جب جس کو چاہے عطا کر دے۔ بہر حال یہ مانگنے کی بات نہیں ہے اور نہ ڈھونڈنے کا کام ہے۔ بس یہ انتظار کا کام ہے۔ انسان انتظار کرے اور جب چاہے گا وہ عطا کر دے گا۔ وہ دیتا ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی کرے اور آپ لوگوں کو بھی جلوہ دکھائے۔ جلوہ محبوب کے چہرے میں ہوگا اور جلوہ اللہ کا ہوگا اور یہ برائے "اللہ" ہو گا اور برائے "الی اللہ" ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کرے، یہ عطا ضرور ہو جاتی ہے۔

سوال :۔

سر! انسان انتظار تو کرے لیکن اس کی کیا نشانیاں ہیں کہ انتظار صحیح ہے؟

جواب :۔

غیر آدمی انتظار نہیں کر سکتا۔ انتظار جو ہے یہ محبوب کی مہربانی ہے کہ وہ یہ انتظار عطا کرتا ہے اور یہ کیفیت تا قیامت رہتی ہے۔ جس کو انتظار مل گیا اس کو محبوب مل گیا۔ محبوب کی عطا کے خاص شعبے یہ ہیں، فراق، انتظار، دنیا سے غفلت اور غیر کی محبت سے بچ جانا۔ وصال جو ہے وہ ایک اور قسم کا شعبہ ہے کہ جس میں چیز مل جاتی ہے اور انسان فارغ

ہو جاتا ہے۔ اور انتظار جو ہے وہ ہر ایک کو نہیں دیا جاتا بلکہ صرف Selected لوگوں کو، منتخب لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی انتظار ہے اور بہشت میں دیدار ہوگا۔ زندگی میں ہم اللہ کے انتظار کی منزل میں ہیں اور جب ہم بہشت میں جائیں گے تو وہاں دیدار کی منزل ہوگی۔ تو یہ دنیا انتظار کی منزل ہے اور انتظار کی اسی منزل سے دیدار کے جلوے پیدا ہوں گے اور پھر وہ رُوبرُو ہو جائیں گے۔ اس لیئے آپ انتظار کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ تو آپ اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا آپ کو کسی کے آنے کا انتظار ہے اور کیا کسی خاص واقعہ کے ہو جانے کا انتظار ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ عطا ہے اور یہ بات ہر ایک کو نہیں ملتی۔ اگر دنیا دار سے پوچھیں کہ تمہیں کس چیز کا انتظار ہے تو وہ کہے گا کہ پیسے ختم ہونے لگے ہیں، اس لیئے پہلی تاریخ کا انتظار ہے، کسی کو پروموشن کا انتظار ہے، کسی کو مہمان کا انتظار ہے، سیاست دان کو انتظار ہے کہ اب امریکہ کی طرف سے کیا واقعہ ہوتا ہے، کچھ لوگوں کے کان اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ اب انڈیا کی طرف سے کیا واقعہ ہوتا ہے اور دل والے کو صرف ایک ہی انتظار ہے، اس کے آنے کا اور اس کے جانے کا اور اس طرف سے خبر کا انتظار ہے۔

خبرم رسید اِمشب کہ نگار خواہی آمد

اس کی خبر ادھر سے آتی ہے۔ اس لیئے آپ اپنے انتظار کا رخ دیکھیں، اگر اللہ کے راستے کی طرف رُخ ہے تو یہ بڑی مبارک بات ہے۔ منزلِ انتظار بڑے نصیب والوں کی بات ہے۔ ایک شخص اپنے پیر صاحب کے پاس گیا اور عرض کی کہ دعا کریں کہ میراج کا نمبر نکل آئے۔

وہ شخص یہ کہہ کر بہت زیادہ روتا رہا۔ پیر صاحب نے کہا کہ سب دعا کرو کہ اس کا نمبر نہ نکلے۔ وہ شخص اور زیادہ رونے لگا۔ پیر صاحب نے سب کے سامنے اس شخص سے کہا کہ میں نے جو چودہ حج کیے ہیں ان سب کا ثواب تُو لے لے اور یہ انتظار کی منزل مجھے دے دے۔ تو حاصل کی منزل سے انتظار کی منزل کا مقام بہتر ہے۔ خدا آپ کے انتظار کو سرخرو رکھے، تازہ رکھے، اسے زندہ رکھے اور اسے برقرار رکھے۔ انتظار ایک قوّت ہے اور یہ محبوب کی قوّت ہے۔ آپ کو جس کا انتظار ہے وہ آپ کے انتظار میں شامل ہے۔ وہ تو اپنا انتظار خود آپ کرتا ہے۔ اپنے رُوبرو خود آپ ہوتا ہے اور اپنا ذکر خود آپ کرتا ہے۔ اس کا ایک نام ذاکر بھی ہے۔ اگر آپ اسی کا ذکر کر رہے ہیں تو وہ خود یہ ذکر کر رہا ہے، اگر آپ اس کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ اس انتظار میں شامل ہے۔ تو وہ اپنے انتظار کی منزل میں اپنے منتظرین کے ساتھ شامل ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ تم میرا انتظار کرو تو میں اس انتظار کے ساتھ شامل ہوں فانتظروا انی معکم من المنتظرین پس تم انتظار کرو اور میں انتظار کرنے والوں کے ساتھ ہوں لہٰذا تمام انتظار کرنے والوں کو مبارک ہو۔ اللہ آپ کے انتظار کو سرفراز فرماتا ہے۔ آپ وصال کو بھی وصال نہ کہیں بلکہ انتظار ہی کہیں۔ اگر آپ وصال کو انتظار کہیں تو پھر اللہ راضی ہے۔ تو آپ بھی انتظار کریں اور وہ بھی آپ کا انتظار کرتا جائے گا۔ یہ ایسا راز ہے کہ بتانے والی بات ہی نہیں۔ تو انتظار کیا ہے؟ یہ حاصل ہے اور محبوب کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے تلاش کرو اور خود ہی آپ کا انتظار کرتا ہے، راستہ خود ہی بناتا ہے، راستے کا ساتھی بھی خود ہی ہے، اور منزل پر بھی خود

موجود ہوتا ہے۔ ایک انسان کسی دوسرے کو تلاش کرتا ہے تو راستے میں اس کے ساتھ کئی واقعات ہوتے ہیں اور جب اس آدمی سے جاکر ملتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تمہارے ساتھ راستے میں یہ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ جب حیران ہوتا ہے تو وہ دوسرا اسے کہتا ہے کہ میں راستے میں تمہارے ساتھ ہی تو تھا۔ گویا کہ وہ مسافر کے سفر کے حالات اس حد تک جانتا ہے کہ لگتا ہے کہ خود سفر میں ساتھ تھا۔ تو اگر منزل ہم سفر ہو جائے تو یہ بڑا مقامِ دل ہے۔

کیا ملے گا سراغِ منزلِ دل
ہم سفر ہو گئی ہو جب منزل

تو یہ عشق کی کہانی ہے اور اس میں منزل آپ کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوتی ہے۔ جس کی طرف ہم چل رہے ہیں وہ ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ دراصل نہ کہیں آنا ہوتا ہے اور نہ کہیں جانا ہوتا ہے بلکہ آپ نے یہیں کھڑے رہنا ہے۔ تو یہ ایسی منزل ہے کہ۔

ہم اپنے آپ ہی میں تجھے ڈھونڈتے رہے
تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا

یہ منزل ایسی ہے کہ وہی بھیجنے والا ہے، وہی ہم سفر ہے اور آگے بھی وہی ہے۔ اس لیئے اگر انتظار کرنے والے کو آنسو ملتے ہیں تو آنسو بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ انتظار کے آنسو اللہ کا ایک جلوہ ہے۔

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا

تو یہ آہ و فغانِ نیم شب کے آنسو ہیں، یہ انتظار کے آنسو ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کے آنسو ہیں۔ اللہ تو دل میں ہوتا ہے، رو برو نہیں

آتا اور جو چیز رُوبرو آتی ہے وہ آنسو ہوتی ہے۔

سوال :۔

کیا ہم دنیاوی کاموں میں بھی اس طرح کا انتظار کیا کریں؟

جواب :۔

نہیں، ایسا نہ کریں۔ یہ توحید کی بات ہو رہی ہے، اللہ کی بات ہو رہی ہے، وہاں انتظار ضروری ہے۔ دنیاوی کاموں میں آپ انتظار نہ کیا کریں بلکہ کام کر لیا کریں اور اگر کچھ مل جائے تو حاصل کر لیں اور نہ ملے تو چھوڑ دیا کریں۔ جو دور کی منزل کے مسافر ہیں ان کے لیۓ انتظار کا کہا جا رہا ہے اور اگر کسی نے امتحان دیا ہوا ہے اور رزلٹ نہیں آرہا تو وہ انتظار اور طرح کا ہے۔ اگر درخواست دی ہوئی ہے اور نوکری نہیں ہو رہی تو یہ اور طرح کا انتظار ہے۔ ہم اللہ کے راستے میں انتظار کی بات کر رہے ہیں اور یہ انتظار بصیغۂ محبوب ہوتا ہے اور بصیغۂ حقیقت ہوتا ہے۔ یہ مجاز کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ حقیقت کا انتظار محبوب کے ذریعے ہوتا ہے۔

آخر میں دعا کریں۔ یا اللہ مہربانی فرما۔ دلوں کے حال درست فرما! یااللہ ٹوٹی ہوئی منزلوں کو جوڑ! یا اللہ چھوڑی ہوئی منزلوں کو آباد فرما! دلوں کو اپنی محبت سے آباد کر! فقیروں کو فقیری کے راستے پر چلا! یا اللہ! دوبارہ وہی منزلیں عطا فرما جن منزلوں سے لوگ اپنے آپ کو محروم سمجھتے ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولینا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یاارحم الرّحمین۔

☆... ○ ...☆

۴

۱ یہ جو اقبال نے کہا تھا یہ دانائے راز کیا ہوتا ہے؟

۲ علم اور آگہی کی کوئی بات سنیں تو ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ ایسے میں کیا کریں؟

۳ یہ جو اتنی ڈھیر ساری تفسیریں ہیں، یہ سب کیا ہے؟

۴ ہم کس بات کا انتخاب کریں اور کسی مزار پر جا کر کیا کریں؟

۵ اس سفر میں تو ہماری ابتداء ہے....؟

۶ اگر ہم صرف اللہ اللہ کرتے جائیں تو بازاروں کی رونق تو بند ہو جائے گی۔ پھر ہم کیا کریں؟

۷ کیا آپ کے ذہن میں ہماری عملی روحانی تربیت کا بھی کوئی پروگرام ہے؟

۸ آپ کی ہر بات پر ہم عمل کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن اصل میں ہم کیا کریں؟

۹ اگر مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو یہ بے ادبی تو نہیں؟

۱۰ کیا استعداد میں اضافہ ممکن ہے؟

۱۱ دوسروں کو مرعوب کرنے کی خواہش کیسی ہے؟

سوال :۔

کہتے ہیں کہ اقبالؒ نے اپنے آخری وقت میں کہا تھا کہ میرے بعد پتہ نہیں کوئی دانائے راز آئے گا کہ نہیں؟ تو یہ دانائے راز کیا ہوتا ہے؟

جواب :۔

یہ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ نہ جانے اب پرانی آواز آئے کہ نہ آئے، پرانا میوزک آئے کہ نہ آئے، صبح کی ہوا آئے کہ نہ آئے، وہ نسیمِ سحر حجاز سے آئے کہ نہ آئے، کیونکہ اس فقیر کے دن پورے ہو گئے ہیں اور میری طرح کوئی اور دانائے راز آئے گا کہ نہیں آئے گا، کیا پتہ آئے کہ نہ آئے۔ علامہ اقبالؒ نے یہاں خود کو فقیر کہا! مگر بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد علامہ اقبالؒ نے آگے ایک اور شعر لکھا ہے، اقبالؒ نے اپنے آپ کو قوم کے آگے پیش کیا اور ایک فلسفہ پیش کیا کیونکہ اسے قوم کا درد تھا، وہ ایک فلسفی، ایک شاعر تو تھا ہی مگر اس کے ہزار ہا لہجے تھے۔ تو ایک جگہ اقبالؒ نے کہا۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

ایک اور جگہ اقبالؒ نے اپنے آپ کو قلندر کہا۔

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

اسی طرح اور بہت ساری جگہ پر کہا کہ مجھے راز آگاہ کر دیا گیا ہے اور مجھ پر مہربانی فرما دی گئی ہے اور دینے والے نے مجھے بہت کچھ دیا اور میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اقبالؒ نے جو آخری شعر کہے تھے وہ یہ ہیں ؎

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

یعنی اب حجازِ عرب کی سرزمین سے ہوا آئے کہ نہ آئے۔ اقبالؒ نے دراصل یہ کہا کہ مجھے وہاں سے ہوا آ رہی ہے اور میں جو کچھ لکھتا ہوں یہ وہاں کی یعنی حجاز کی ہوا کا اثر ہے۔ تو یہ راز تو وہ خود بتا رہا ہے کہ وہ شخص تو فقیر بن جاتا ہے جس کو حجاز سے ہوا آئے۔

تو نسیمِ حجاز جو ہے وہی دانائے راز بناتی ہے یعنی جس کو یہاں کی ہواؤں میں عرب کی ہوا مل جائے وہ دانائے راز ہوتا ہے! یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو اس زندگی کے اندر، دنیا کے اندر خالق کا راستہ مل گیا وہ دانائے راز ہو گیا۔ جس کو دنیا کے اندر خدا نظر آتا ہے تو سمجھو کہ دانائے راز ہو گیا۔ حالانکہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو کیا دیکھ رہا ہے کیونکہ یہ تو سارے گمراہ اور کافر لوگ ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کافروں میں مجھے ایمان

نظر آ رہا ہے۔ اب یہ راز ہے! تو اسے کافروں میں ایمان والا شخص سو سال بعد نظر آیا اور کسی میں ان کو پرانے آباء و اجداد مسلمان نظر آئے۔ اصل میں ان کے پیچھے ایک آدمی ہے کیونکہ سارے حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں یا حضرت نوحؑ کی اولاد ہیں' اس وقت تو وہ سارے مسلمان تھے اور درمیان میں بیچارے کافر ہو گئے۔ تو وہ دانائے راز کفر سے پہلے دیکھتا ہے کہ وہ دانا لوگ تھے۔ تو پھر وہ کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں' کچھ عرصہ کے بعد یہ پھر مسلمان ہو جائیں گے۔ تو یہ ہوتا ہے دانائے راز!

پھر اقبالؒ نے کہا کہ اس فقیر کے دن تو پورے ہو گئے مگر کوئی اور راز جاننے والا میرے بعد آئے کہ نہ آئے۔

اگر می آید آں دانائے رازے
بدہ اُو را نوائے دل گدازے
ضمیرِ اُمتاں را می کند پاک
حکیمے' دل نوازے' نے نوازے

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دانائے راز آیا تو میرا سوز بھی اسی کو دینا کیونکہ وہ امتوں کے ضمیر کو پاکیزہ کرے گا' وہ حکیم ہو گا' دل نواز ہو گا اور دل سوز ہو گا۔ تو اقبالؒ کا مطلب یہ ہے کہ دانائے راز میرے بعد آ سکتا ہے۔ پہلے اقبالؒ نے کہا پتہ نہیں کوئی آئے یا نہ آئے۔ پھر جب نئی نسیمِ حجاز آئی تو پھر وہ کہتا ہے کہ ہاں اگر کوئی میرے بعد آئے تو اس کو یہ ساری نوا دینا۔ تو گویا کہ دانائے راز نے یہ بتا دیا کہ اور دانائے راز آ سکتا ہے۔ تو دانائے راز کیا ہوا؟ جس کو نسیمِ حجاز آئے۔

چھڑا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

یہ بات اقبالؒ نے ایک اور طرح سے کی ہے۔ ایک اور جگہ یہ کہا ہے کہ۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبالؒ کہتا ہے کہ میں مدینہ اور نجف کا سرمہ ڈالنے والا ہوں، مجھے کیا پرواہ ہے کہ فرنگ کیا ہے اور دانشِ فرنگ کیا ہے۔ گویا کہ اس نے یہ بتا دیا کہ وہ آدمی جو یہاں بھی رہتا ہو اور حجاز میں بھی بیک وقت رہتا ہو، وہ دانائے راز ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو آدمی زمین پر رہتا ہو اور پھر خدا کے ساتھ بھی رہتا ہو، وہ دانائے راز ہے۔ وہ آدمی جو اس دنیا کے اندر ہونے والی چیز کا نہ ہونا جانتا ہو کہ جو ہے یہ نہیں ہو گا، جو تھا وہ اب نہیں ہے اور جو ہے وہ نہ ہو گا تو وہ دانائے راز ہے۔

یہی ہے اِک حرفِ محرمانہ

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اب محرمِ راز نہیں رہے اور یہ بات پرانی ہو گئی ہے کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، دنیا کے جتنے محترم نام ہیں وہ سارے کے سارے ماضی کے ہیں، جتنے چراغ ہیں سب ماضی کے جلائے ہوئے ہیں۔ جتنے مطلعِ انوار ہیں یہ سارے کے سارے ماضی کے ہیں، جتنے مرکزِ تجلیات ہیں سارے کے سارے ماضی کے ہیں۔ تو گویا کہ مر جانے یا رخصت ہو جانے سے مرکزِ تجلیات پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ جب چاہے اور جس دور میں چاہے مرکزِ تجلیات رہتا ہے۔ آپ خانقاہوں پر، مزاروں پر مرکزِ تجلیات اور الٰہیات کے واقعات کو دیکھو کہ وہ اتنے روشن ہیں کہ آپ لوگوں کی زندگی اتنی روشن نہیں ہے۔ تو ان

کے قبرستان جتنے روشن ہیں اتنی ہماری زندگی روشن نہیں ہے یعنی ان کی موت اتنی روشن ہے جتنی ہماری زندگی نہیں ہے۔ تو وہ لوگ جو ہیں وہ عظیم لوگ ہیں اور اس لیئے عظیم ہیں کہ وہ مرکزِ راز کو جانتے تھے اور وہ محرمِ راز تھے۔ اور جن کو راز مل گیا' وہ پھر روشن ہو گئے کیونکہ روشنی کا راز جاننے والا روشن ہو جاتا ہے' خوشبُو کا راز جاننے والا خوشبُودار ہو جاتا ہے' اللہ کا راز جاننے والا اللہ والا ہو جاتا ہے۔ اور حضور پاکؐ کا راز جاننے والا تو بس خاموش ہی ہو جاتا ہے۔ وہ تو پھر اور ہی کہانی ہے تو جو اس راز کو جان جائے تو بس پھر چُپ ہی ہو جاتا ہے' وہ بتا نہیں سکتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ بہت بڑی بات ہو جاتی ہے اور وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ تو اقبالؒ نے جس کو راز کہا وہ راز یہی ہے کہ میرا ہونا اس کے فضل کی دلیل ہے' اس کا ہونا میرے یقین کا انجام ہے اور میرے یقین کا مرکز ہے' میں اس کے ثبوت کی بات نہیں کرتا کیونکہ وہ تو میرا یقین ہے' وہ نہیں ہے تب بھی ہے' اور اگر موجود ہے' تب بھی ہے۔ تو یہ ہمارے اعتماد کا باعث ہے۔ اس کے علاوہ راز والوں کے پاس ایک اور بات یہ ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کے راز کو جانتے ہیں کہ یہ جو لوگ گمراہ ہو رہے ہیں شاید ان کی کوئی مجبوریاں ان کو گمراہ کر رہی ہیں' شاید ان تک بات Convey نہیں ہو رہی ورنہ یہ گمراہ نہ ہوتے۔ وہ لوگ جو محرمِ راز ہوتے ہیں وہ راتوں کو جاگنے والے اور زمین و آسمان کے فاصلے ملانے والے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے آسمان رات کو زمین بنا ہوتا ہے اور زمین رات کو آسمان بنی ہوتی ہے۔ تو ان کی راتیں جاگتی رہتی ہیں اور وہ لوگ خاص ہوتے ہیں' راز جاننے والے ہوتے ہیں

اور وہ لوگ راز آشنا کہلاتے ہیں، محرمِ راز کہلاتے ہیں۔ جس طرح خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا ہے ۔

کیا حال سناواں دل دا
کوئی محرم راز نہ مِلدا

جب محرمِ راز مل جائے تو وہ اسے اپنے دل کا وہ حال سنا دیتا ہے جو اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ تو یہ خواجہ غلام فریدؒ کی روہی ہے، روہی سے مراد خواجہ صاحبؒ کی بستی، وہ اس راہ سے گزرتے تھے، آنکھوں میں خون کے آنسو رواں ہوتے تھے۔ حسن کی وادی والے سارے ہی روتے رہے ہیں ۔

عطارؒ ہو رومیؒ ہو رازیؒ ہو غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

آہِ سحر گاہی کا معنیٰ رو رو کر راتیں کاٹنا۔ رو رو کر راتیں کاٹنے والے عطارؒ بن جاتے ہیں، رومیؒ بن جاتے ہیں، رازیؒ بن جاتے ہیں اور غزالیؒ بن جاتے ہیں۔ تو یہ محرمِ راز ہیں۔ مولانا رومؒ بڑے عالمِ دین تھے اور بڑے مغرور عالمِ دین تھے۔ ان کا نام جلال الدین تھا، جلال الدین کا بڑا دبدبہ تھا۔ پھر کوئی مست پاس سے گزرا اور جلال الدین کو جلا کر رکھ دیا۔ تب جلال الدین سے وہ مولائے رُوم بن گئے اور یہ کہا کہ ۔

مولوی ہر گز نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزیؒ نہ شُد

شاہ شمس تبریزؒ نے جب ان کو راز کی دنیا دکھا دی تو وہ آگے آگے تھے اور مولانا رومؒ پیچھے پیچھے۔ وہ کئی سال تک مولانا رومؒ سے بولے تک

نہیں۔ پھر کئی سال کے بعد ایسا بولے کہ مولانا رومؒ کو آشنائے راز کر دیا۔

تو یہ ایک نگاہ ہوتی ہے اور یہ نگاہ چلتی رہتی ہے۔ اسی کائنات کا کوئی انسان یا کوئی نہ کوئی گروہ ایسا ہوتا ہے جو ان زندہ آدمیوں میں آتا رہتا ہے۔ پھر وہ لوگوں کے پاس آتے رہتے ہیں اور ان کے خیال کی داد دیتے رہتے ہیں۔ آپ دل میں صبح سے یہ خیال لے کر بیٹھ جاؤ' مثلاً" جو دکاندار ہے دکان میں بیٹھ جائے' جو دفتر میں کام کرنے والا ہے دفتر میں بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ یااللہ آج ہمیں کسی اپنے بندے سے ملا۔ آپ انتظار کرو' کوئی نہ کوئی بندہ' کوئی جلوہ دکھا جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو تلاش نہیں کر سکتے اور نہیں جانتے کہ کہاں جائیں' ہم یہاں تیرے بندے کا انتظار کرتے ہیں۔ تو اللہ کا وہ بندہ کسی سائل کی شکل میں آ جائے گا' کسی غریب کی شکل میں آ جائے گا' کسی امیر کی شکل میں آ جائے گا' کوئی محرمِ راز اشارہ کرنے آ جائے گا اور کوئی نہ کوئی بات بتا کر چلا جائے گا۔ پھر آپ پہچان لیں گے کہ یہ اللہ کا وہ بندہ ہے۔ جو آپ کا راز آپ کو بتا دے وہ اللہ کا بندہ ہے۔ محرمِ راز کو دوسرا محرمِ راز ایسے ملتا ہے جیسے پرانے دوست ہوں حالانکہ یہ ملاقات پہلی ہوتی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ وہ زندگی میں مجھے پہلی بار ملا اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس پہلی بار ملنے سے پہلے بھی میں اس کو کئی بار ملا ہوں۔ تو پہلی بار ملاقات میں پہلے سے جاننے والے کو محرمِ راز کہتے ہیں۔ اس لئے وہ سارے ہم خیال اکٹھے ہو جاتے ہیں' اس میں Announcement کی بات کوئی نہیں ہے یعنی اعلان نہیں کرنا چاہئے۔ آپ سارے لوگ اس وقت یہاں بیٹھے ہیں

تو اس لیئے کہ آپ کے اندر کوئی جذبہ ہے جو آپ کو بٹھائے ہوئے ہے۔ یعنی کوئی ایسی چیز ہے جو خود بخود آپ کے اندر موجود رہتی ہے اور اس چیز کو تلاش کہتے ہیں۔ یہ تلاش کیا ہے؟ یہ اپنے آپ کی تلاش ہے کیونکہ اپنا آپ گم ہو گیا ہے۔ ہم سارے اپنی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں کیونکہ ہم نے اپنا آپ گم کر دیا ہے۔ شاید کہیں اگلے موڑ پر اپنا آپ مل جائے۔ اگر کبھی آپ کو غور سے آئینہ دیکھنے کا اتفاق ہو تو آپ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر بات کریں کہ یہ کیا زندگی ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور اگر اندر سے آئینہ بولے کہ تم کیا بات کر رہے ہو کہ زندگی کیا ہے' یہ تو بہت اچھی شے ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ آپ کو خاموشیوں میں آوازیں آ سکتی ہیں' محرم راز کو ہجوم میں تنہائیاں مل جاتی ہیں اور تنہائی میں ہجوم مل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محرم راز بالکل ہی اور طرح کا ہوتا ہے اور پھر یہ جو زندگی کی رونق ہے یہ نئے سرے سے سمجھ آتی ہے۔ محرمِ راز کو اس زندگی میں ایک اور زندگی ملتی ہے۔ زندگی یہی ہوتی ہے اور یہی شب و روز ہوتے ہیں مگر اس کو اس کے اندر ایک اور زندگی نظر آتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص اقبالؒ کے قریب آیا اور اسے دانائے راز بنا گیا کیوں کہ اس نے اپنا آپ پہچان لیا۔ تو یہ ہوتا ہے دانائے راز۔ دانائے راز کو دیکھیں تو دانائے راز سمجھ آتا ہے ورنہ بیان کرنے سے اس کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ راز تو کبھی بیان ہونے کے بعد بھی بیان نہیں ہوتا۔ لوگ صدیوں سے اس راز کو بیان کر رہے ہیں اور یہ بیان نہیں ہوا' ساری کتابیں دانائے راز کے ذکر سے بھری ہوئی ہیں کہ محرمِ راز کیا ہے؟

دانائے راز کیا ہے؟ "دگر دانائے راز آید" کیا ہے؟ یہ قصہ کیا ہے؟ کہانی کیا ہے؟ اصل بات کیا ہے؟ مگر بیان سے کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن سمجھ آ جائے تو سب کچھ ہے۔ کبھی انسان کا تعلّق آسمان کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر خدا کا تعلّق دنیا کے ساتھ بھی نظر آ جاتا ہے۔ اللہ نے دنیا کو چابی والے کھلونے کی طرح بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ تو قدم قدم پر ساتھ ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت روح وہی پھونکتا ہے اور وہی تنہائیوں میں آپ کی باتیں سنتا ہے، وہی دعائیں منظور کرتا ہے، آج بھی وہی ہے، کل بھی وہی ہے الآن کما کان وہ جیسے تھا ویسے ہے اور کل من علیھا فان باقی ہر شے فصل کی طرح کٹ جائے گی اور وہ باقی رہ جائے گا ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام اور باقی تیرے رب کا چہرہ رہ جائے گا۔ تو جو باقی رہ جاتا ہے وہ "وہ" ہے۔ باقی رہ جانے والا اصل ہے اور چلا جانے والا فانی ہے۔ باقی کیسے رہتے ہیں؟ آپ دیکھو کہ ہم لوگ چودہ سو سال بعد پیدا ہونے والے ہیں اور آج بھی ایک نام ہم اذان میں سنتے ہیں، یعنی اللہ کے حبیبؐ کا نام گرامی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ورفعنا لک ذکرک ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا، جہاں ہم بلند ہیں وہاں آپؐ کا ذکر بھی بلند کر دیا اور آج تک بلند ہے۔ حضور پاک ﷺ کی ذاتِ گرامی ایسی ہے کہ اس ساری دنیا میں ماننے والے اور نہ ماننے والے سب ہی آپؐ کی تعریف کریں گے، نام "محمدؐ" ایسا رکھا گیا کہ تعریف ہی تعریف ہو گی، ہر ماننے والا بھی تعریف کرے گا اور نہ ماننے والا بھی تعریف کرے گا کیونکہ یہ تعریف کیا گیا ہے۔ اس نام کی اللہ تعریف کرے گا، اللہ کے

فرشتے تعریف کریں گے، قرآن پاک تعریف کرے گا، صحابہ کرامؓ تعریف کریں گے، ماننے والے تعریف کریں گے، کافر بھی تعریف کریں گے Hero as a Prophet (PBUH) کتاب لکھنے والا کارلائل بھی تعریف کرے گا، اس مصنف نے کسی اور پیغمبر کو مانا ہی نہیں، لیکن جب بھی پیغمبر کا ذکر کرے گا حضور پاک ﷺ کا ہی ذکر کرے گا۔ ہندو، سیاستدان، انگریز، سکھ، خواہ کوئی بھی ہو، آپؐ کے نام کی تعریف کرے گا۔ تو یہ بڑے راز کی بات ہے کہ دانائے راز وہ ہے جو انسان اپنی نسبت حضور پاک ﷺ سے دریافت کرے۔ پیر کامل سے محبت اور نسبت بھی آپؐ کے نام اور تعلّق کی وجہ سے ہوتی ہے اور اصل میں اللہ کے محبوبؐ کا عشق ہوتا ہے۔ اور ساری محبت حضور پاک ﷺ کی ہے۔ محبت کے اظہار میں داتا صاحبؒ کا راستہ بھی اِدھر کا راستہ ہے اور یہ راستہ مدینے کو جاتا ہے۔ تو راز یہ ہے کہ درِ مصطفیٰؐ کا راستہ ادھر سے ہی جاتا ہے۔ اسی طرح آپ لوگ کربلا گامے شاہ جاؤ تو یہ کربلا لاہور میں ہے۔

ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے
جو وہاں نہیں تو یہاں سہی

تو یہ جو تعلّقات ہیں یہ راز کی باتیں ہیں۔ اور جاننے والے کے لیئے جہاں ہے وہاں ہے اور نہ جاننے والے کے لیئے نہ وہاں ہے اور نہ یہاں ہے، یہ تو صرف ماننے والے کا رشتہ ہے اور عقیدہ ہے اور یہ ایک راز ہے۔

سوال :۔

حضور! میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر علم اور آگہی کی کوئی بات سننے میں آئے تو ذمّہ داری بڑھتی ہے اور جتنا علم آ چکا ہے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ پھر ایسے میں کیا کریں؟

جواب :۔

جب نیا سورج نکلے گا اور نئے واقعات ہوں گے تو آپ یہ کہیں گے کہ یہ علم پہلے سے تھا ہی نہیں۔ آپ کو یہ علم اس لیۓ دیا جا رہا ہے کہ کل کو ہونے والے جو واقعات ہیں ان کے لیئے مدد کی راہ نکالی جائے اور غیر ضروری سامان نہ اٹھایا جائے۔ آپ نے جو غیر ضروری سامان اکٹھا کر لیا ہے اس کے لیئے آگے کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کے پاس جو علم موجود ہے وہ ترک کر دو کیونکہ یہ علم آپ کے لیئے پرابلم ہے۔ اصل میں ان پڑھ آدمی پرابلم نہیں ہے اور علم والا بھی پرابلم نہیں ہے بلکہ پرابلم ہے بد علم کی اور یہ پرابلم اس لیئے ہے کہ اس نے غلط جگہ کو پکڑا ہوا ہے۔ کسی نے جب نیا علم پڑھانا ہے تو پھر آپ کو پریشانی ہو جائے گی۔ اس سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ موت کا علم حاصل کر لو، پھر آپ کا علم مکمل ہو جائے گا۔ زندگی کا علم آپ جتنا جانتے ہو وہ کافی ہے۔ مثلاً" یہ جو نوکری ہے، ریٹائرمنٹ ہے، پنشن ہے، پنشن کے بعد قرضہ لے کر مکان ہے، گریجویٹی ہے اور فکس ڈیپازٹ ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو زندگی کا اتنا علم کافی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو مرنا بھی ہوتا ہے اور اسے یہ علم بھی آنا چاہیئے۔

سوال :۔

سر! حکم صرف اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ کا ماننا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو اتنی ڈھیر ساری تفسیریں ہیں یہ سب پھر کیا ہے؟

جواب :۔

آپ سے صرف اتنا ہی پوچھا جائے گا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ جو تفسیروں کی بات ہے تو کیونکہ آپ لوگوں کے پاس کام نہیں ہے اس لیئے آپ تفسیریں لکھتے رہتے ہیں اور آپ کی قوم کا بڑا مسئلہ ہے اور آپ کی قومؐ یہ خطرناک رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے کہ اگر آپ اور کچھ نہ کریں تو بھی کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور پھر قرآن کی تفسیریں لکھتے رہتے ہیں۔ اگر آپ اس زندگی میں غور کریں اور زندگی اگر ساٹھ سال کی لے لی جائے تو اس کا تیسرا حِصّہ تو آپ سونے میں گزار دیتے ہیں، ساٹھ سال میں سے بیس سال نکال دیں کیونکہ یہ نیند کی نذر ہو گئے۔ کچھ زندگی دفتر میں بک گئی، باقی کی زندگی کچھ تو بیوی اور دوست لے جاتے ہیں، پھر آپ کی اولادیں ہیں، جن کے لیئے آپ وقت خرچ کرتے ہیں۔ کچھ وقت مہمان لے جاتے ہیں، کچھ وقت بیماری اور ڈاکٹر لے جاتا ہے، بارات میں آپ چلے جاتے ہیں، جنازے میں چلے جاتے ہیں، رشتے داروں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اگر یہ سب مل ملا کر دیکھا جائے تو آپ کے پاس باقی کے دو چار سال بھی نہیں نکلیں گے۔ پھر اب باقی کے سالوں میں پریشانی یہ ہوتی ہے کہ کلمہ ہوتا ہے، پھر اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ ایسا کرو، ایک اور بندہ آئے

گا اور کہے گا کہ یہ حضور پاک ﷺ کا حکم ہے، اور کہے گا کہ صحابہ کرامؓ کا حکم ہے، یہ حضور غوث پاکؒ کا حکم ہے، یہ خواجہ صاحبؒ کا حکم ہے، یہ داتا صاحبؒ کا حکم ہے، یہ قائد اعظمؒ نے فرمایا ہے، یہ بھٹو صاحب کا فرمان ہے، یہ ضیاء صاحب کا فرمایا ہوا ہے اور پھر قائدینِ ملّت، محمد علی جوہر وغیرہ ——— لیکن آپ کے پاس فرمان ماننے کے لئے ٹائم ہی نہیں ہے۔ اس حال میں اللہ کے کلام کی تفسیر لکھی جا رہی ہے، تفسیر کے جواب میں ایک اور تفسیر لکھی جا رہی ہے، اور پھر تفسیر کا تفسیر کے ساتھ جھگڑا ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ پر اتنے احکامات جاری ہو چکے ہیں کہ آپ کے لئے حکم ماننا بڑا دشوار ہے۔ جب کہ زندگی کے بے شمار واقعات ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے پاس آگہی کا وقت بھی نہیں ہے۔ آپ یہ کرو کہ سب کی عزّت کرتے جاؤ اور اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ کا حکم مانتے جاؤ۔ اس لئے احکام آسان کر لو۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ چار دن ہیں اور آپ مزاروں پر لگاتے پھریں۔ اگر آپ ملتان جاؤ تو وہاں کتنے ہی مزار ہیں اور اگر لاہور کے مزارات گننے شروع کر دو اور ان پر ایک ایک یا دو دو دن لگاؤ تو مہینہ بہت چھوٹا ہو جائے گا۔ تو اس لئے اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ کا حکم مانو۔ تو آپ راضی رہیں اور زندگی گزار کر رخصتی کی تیاری کریں اور وہ سامان باندھ لیں جو وہاں پر جا سکتا ہے! وہاں کون سا سامان جا سکتا ہے؟ گھڑی بھی ساتھ نہیں جائے گی۔ جب تک انسان زندہ ہے تو چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے، مگر کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی۔ تو دعا یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیبِ پاکؐ کی بات کافی ہے، فائنل ہے۔ یہ فیصلہ ہم

نے نہیں کیا بلکہ اللہ نے خود Simplify فرمایا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرنا ہے۔ یہ اسلام کا احسان ہے کہ آپ کو ہر بات سمجھا دی گئی ہے۔ اس لیے آپ کے سجدے کی اصلاح ہونی چاہئے، سجدہ اس نشان کی طرف کرنا ہے جو خانہ کعبہ کہلاتا ہے، وہ Pointer ہے، اشارہ کرنے والا۔ تو آپ اللہ کے اس رُخ پر چلتے جاؤ۔ اب آپ یہ راستہ اختیار کر لو۔ ایک بندہ اپنے بیٹے کو ہاسٹل میں داخل کرنے گیا۔ ہاسٹل Dues وغیرہ ادا کر دیے اور بیٹا داخل ہو گیا۔ بیٹا اپنے والد کے ساتھ باہر آ گیا۔ والد نے کہا کہ بیٹا آپ کو داخل کرا دیا ہے، اب آپ ہاسٹل میں رہیں گے تو بیٹے نے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پیر صاحب کا کام اتنا تھا کہ آپ کو اللہ اور اللہ کے حبیبِ پاکؐ کے راستے پر چلا دیں۔ اب وہ شخص ان کے حکم کے مطابق چلتا جائے اور اپنی مرضی کو ترک کر دے۔ لوگ اپنے پیر صاحب کی ایسی خوشامد کرتے ہیں کہ اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ عام طور پر پیروں کو مریدوں نے گمراہ کیا ہے۔ تو آپ اللہ اور اللہ کے حبیبِ پاکؐ کا حکم مانتے جائیں، قرآن پاک کا احترام کریں، مسجد چاہے جس فرقے کی ہو، اس کا احترام کریں، خانقاہ کا احترام کریں۔ کبھی کسی سے ایسی بات نہ کرنا جس سے اس کی عزت میں کمی آ جائے اور قابلِ عزت کی عزت تو ضرور کریں۔ لہٰذا سجدہ اللہ کو کریں، محبت اللہ کے حبیبِ پاکؐ کی اور اطاعت اللہ کی ہونی چاہئے۔ یہ سب بہت کافی ہے!

سوال :۔

سر! ہم کس بات کا انتخاب کریں؟ کسی مزار پر جا کر کیا کریں؟

جواب :۔

انتخاب کس بات کا کرنا ہے۔ آپ انتخاب نہیں اس کو استعمال کہو۔ اللہ کا آپ نے انتخاب نہیں کرنا ہے' وہ تو پہلے منتخب ہے بلکہ منتخبِ کائنات وہ آپ ہی ہے' حضور پاک ﷺ آخری پیغمبر ہیں' اس میں بھی کائنات کا Choice کوئی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی زبر زیر اِدھر اُدھر کریں تو چالان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن پاک بھی پکا ہے' حدیث شریف بھی پکی ہے' پھر آپ نے کرنا کیا ہے؟ صرف زندگی چلانی ہے۔ بس چلتے جاؤ۔ آپ نے پھر کسی کو کیا کرنا ہے۔ بس آپ کا جو حق ہے وہ پورا کرو' فرائض پورے کرو اور آگے جانے کی تیاری بھی کرو۔ اپنی زندگی میں قبرستان کے اندر اپنی قبر کی جگہ ضرور منتخب کر لینا! آپ یہ نہ کہنا کہ جہاں مرضی دفن کر دینا۔ آپ یہ Choice ضرور کر لو۔ اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے لیکن آپ اپنی قبر کی جگہ ضرور مقرّر کر لو اور وہاں پر جایا کرو' دعا یہ کیا کرو کہ آپ کے ابا اگر رخصت ہو چکے ہیں تو ان کے پہلُو میں جگہ مانگو اور اگر والدہ رخصت ہو چکی ہیں تو ان کے قدموں میں جگہ مانگو۔ قبرستان میں آپ ضرور جایا کرو۔ یہ سب کا فائنل گھر ہے۔ یہ خبر پکی ہے اور فائنل ہے۔ تو آپ اس طرف خوشی کے ساتھ چل پڑو اور اگر قبرستان جانے سے ڈر لگتا ہے تو استغفار نہ چھوڑنا۔ اس طرح آپ کا ڈر اور خوف نکل جائے گا۔ اگر کسی کے پاس توفیق ہے' کوئی جگہ ہے تو قبرستان کے لیئے تقسیم کر دو۔ اگر کوئی عمر میں بڑا مل جائے تو اس کا ادب کرو۔ کوئی مرتبے میں بڑا مل جائے تو اس کا ادب کرو۔ جو علم میں بڑا مل جائے اس کو سلام کر دو۔ جو خانقاہ مل جائے وہاں ادب سے سلام کر آؤ اور

صاحبِ مزار کو سلام پیش کر آؤ۔ تو یہ آپ کے ادب کا اظہار ہے۔ ہر جگہ سے کچھ نہ کچھ لینے کی خواہش بند کرو۔ کسی بھی مزار کو آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ دروازے ہیں، ان سے ملتا بھی ہے اور ان میں سے Enter ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ یا تو آپ یہاں سوال کر لو یا پھر Enter ہو جاؤ، داخل ہو جاؤ۔ تو یہ جو صاحبانِ مزار ہیں، یہ مقدّس جگہیں ہیں، عزّت کے آستانے ہیں، وہاں پر سوال کرو گے تو سوال پورا ہو جائے گا اور اگر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگو گے تو اندر داخل ہو جاؤ گے۔

سوال:۔

حضور والا! اس سفر میں ہماری تو ابتداء ہے، ہم تو بس عزّت کا مقام سمجھتے ہیں اور آگے کچھ نہیں ہے۔

جواب:۔

آپ کو اس طرح پکڑ کر لے جانا پڑے گا جس طرح بچہ سکول سے بھاگا ہوتا ہے تو پھر اس کو چار بچے پکڑ کر لے جاتے ہیں اور یہ واقعہ جب ہو گا اور چار بندوں نے آپ کو سر پر اٹھایا ہو گا اور کہیں گے کلمہ شہادت پڑھو۔ اس وقت پھر دِقّت ہو جائے گی۔ وہ پہلی شہادت آپ ابھی پڑھ لو۔ تو اگر کلمہ شہادت پڑھ لیا تو آگے پھر خیریت ہے، آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ آپ جن کے پاس جا رہے ہیں ان کے ساتھ پہلے سے آپ کو محبّت ہونی چاہیئے۔ تو پھر جانا ہی کدھر ہے، پھر نہ کوئی موت ہے، نہ کوئی زندگی ہے، نہ ڈر ہے اور نہ خوف ہے۔ اِدھر بھی اللہ ہے اُدھر بھی اللہ ہے، اوّل اللہ، آخر اللہ، اندر اللہ، باہر اللہ اور اللہ ہی اللہ ہے۔ اگر

آپ آج سے یہ شروع کر دو تو پھر رونق ہی رونق ہے۔

سوال :۔

اس طرح تو کافی چیزوں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔ میں تو اپنی بات کرتا ہوں کہ ہم دنیا کے دھندوں میں پڑے ہوئے ہیں، اگر ہم صرف اللہ اللہ کرتے جائیں تو بازاروں کی رونق تو بند ہو جائے گی۔ پھر ہم کیا کریں؟

جواب :۔

آپ بات سنتے جائیں اور اپنے اپنے کاروبار میں بھی لگے رہیں۔ جس طرح سننے میں آتا ہے کہ سرکس دیکھو، تماشہ دیکھو تو آپ تماشہ نہیں دیکھتے بلکہ سیدھا گھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے تماشے چھوڑتے ہوئے آپ اپنے گھر چلے جائیں گے۔ آپ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ذکر کی محفلوں میں ضرور جایا کریں اور وہاں سے کام کی بات سمجھ کر آئیں۔ آپ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا ذکر کرنے کے بعد کسی اور کا ذکر بھی یعنی غیر کا ذکر بھی لے آتے ہیں۔ مثلاً” کسی جماعت کا ذکر، کسی جماعت خانے کا ذکر اور کسی سیاستدان کا ذکر۔ یہ وہی پرانی قباحت ہے اور وہاں جانا بھی قباحت ہے۔ زیادہ لیڈر نہیں بنانے بلکہ اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ بہت کافی ہیں۔ باقی یہ کہ لوگوں کی جو خدمت کر سکتے ہو، کر لو، کسی کی زندگی کو آسان بنا سکتے ہو تو بنا لو، کسی شخص کے ساتھ کوئی نیکی کر سکتے ہو تو کر لو۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کوئی بندہ ہی نہیں ملا تھا جس کے ساتھ میں نیکی کرتا، ہر ایک کے ساتھ

نیکی ہو سکتی ہے، اگر کسی کو دینے کو کچھ نہیں ملتا تو Gentle الفاظ، اچھے الفاظ ہی بول دو۔

سوال :۔

سر! ہم سوال کرتے ہیں اور تشفّی پاتے ہیں۔ تو کیا آپ کے ذہن میں ہماری عملی رُوحانی تربیّت کا بھی کوئی پروگرام ہے؟

جواب :۔

ہاں بڑا پروگرام ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر آپ کو ایک وظیفہ دیا جائے کہ آپ چھ مہینے وظیفہ کرو تو اس کے بعد آپ کو جو بات ملے گی وہ یہی ملے گی کہ "میری طرف تم نے لوٹ کر آ جانا ہے"۔ اب آپ یہ بات وظیفے سے پتہ کر لو یا ویسے پتہ کر لو۔ مثلاً" آپ کوئی بھی مقدّس کتاب لے لو وہ سارا علم ہی ہے اور تھیوری ہے۔ اسلام کے اندر داخل ہونے والے کی خوبی یہ ہے کہ اس کی کوئی تھیوری نہیں ہے بلکہ نماز ہے۔ اس کے علاوہ عمل اور کوئی نہیں ہے۔ اگر ہم کوئی اور عملی شکل بنائیں گے تو وہ گمراہی ہو گی اور بدعت ہو گی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج کل زمانہ بڑی ترقی کر گیا ہے اور انسان اتنا Busy ہے کہ آج کل پانچ نمازیں پڑھنے کا ٹائم نہیں ہے۔ تو کچھ لوگ کہیں گے ہاں جی بڑا مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ ہفتے میں ایک نماز بھی کافی ہے اگر وہ بڑے خلوص کے ساتھ پڑھ لی جائے۔ تو بہت سارے لوگ ہوں گے جو اس کی داد دے دیں گے۔ لوگ اس کو گمراہ کریں گے اور وہ ان کو گمراہ کرے گا۔ اس لیئے اسلام کی خوبی ہے کہ نہ اس نے Change ہونا ہے اور نہ

اسے آپ Change کرو۔ آپ جو مرضی کر لو پانچ نمازیں ہی رہیں گی۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ سرد علاقے میں وضو کی کیا ضرورت ہے وہاں تو برف پڑتی ہے۔ تو جواب یہ ہو گا کہ برف پڑے یا نہ پڑے وضو کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی عملی شکل کو شریعت کہتے ہیں اور اس کے علاوہ راستہ ہے ہی کوئی نہیں۔ مزید یہ کہ آپ لوگ ایک دوسرے کے پاس جایا کرو، کھانا کھلایا کرو، ملاقات کیا کرو اور تعلّقات بناؤ۔ شریعت کے لیے ترجیح ہونی چاہیئے۔ آپ کو اگر کہا جائے کہ سینٹ پیٹرکس میں بھی داخلہ ملتا ہے، جامعہ نعیمیہ میں بھی، تو آپ اپنے بچے کو جامعہ میں کبھی داخل نہیں کرائیں گے، بچہ بے شک گمراہ ہو جائے لیکن نوکری مل جائے۔ یہ عملی شکل کی زندگی کی مجبوریاں ہیں۔ اسلام کا اصل یہ ہے کہ آپ شریعت پر چلو اور آپ کے پاس شریعت کے لیئے وقت نہیں ہے۔ تو ضروری ہے کہ آپ کو کوئی ٹریننگ دی جائے، ذکر کرنے والوں کی کوئی جماعت ہو، اللہ کو ڈھونڈنے والے ہوں، اس طرح کا کوئی Behaviour Group ہونا چاہیئے۔ مگر حال یہ ہے کہ دین کی تعلیم حاصل کرنے والا دنیا میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی قرآن شریف کسی جامعہ میں پڑھتا ہے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر درسِ نظامی کر آئے تو امام مسجد بن سکتا ہے یعنی اگر درسِ نظامی کر لیا ہے، قرآن پاک بھی جانتا ہے، حدیث شریف بھی جانتا ہے، فِقہ بھی جانتا ہے اور فنِ تفسیر بھی جانتا ہے یعنی جو کچھ بھی ہے، سب کچھ جانتا ہے تو اس کو نوکری کسی مسجد میں ہی ملے گی۔ اور اگر ایک آدمی نکما ہو لیکن انگریزی سکولوں سے پڑھ کر آ گیا ہو تو اس کو نوکری فوراً مل جائے گی۔ تو اس بات کا مُدّعا یہ ہے کہ آپ یہ

دیکھو کہ کس حال میں آپ جا رہے ہو۔ ضروری ہے کہ آپ یہاں پر Technical Frame Work کوئی اور بنالیں، اپنا سسٹم اور بنالیں۔ پہلے ہی آپ پر بہت سے فارمولے لگے ہوئے ہیں۔ جس بازار میں دکان ہو گی، اس بازار کا فارمولا ہو گا۔ دفتر ہو گا تو یونین بھی ہو گی۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اتنی مجبوریاں ہیں۔ اب آپ یہ کام کریں کہ آپ اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ کے تابع دار سمجھتے ہوئے اللہ کی شریعت پر چلنے کی کوشش کریں اور مسلمانوں کی خدمت کریں، جتنی بھی آپ خدمت کر سکتے ہیں، اس سے آپ کے دل کے اندر روشنی آ جائے گی۔ میں عملی شکل یوں کراؤں گا کہ آپ کلمہ پڑھیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اور کہیں یا رب العالمین میں تیرے ہر فیصلے پر راضی ہوں اور ہمیشہ کے لیئے راضی ہوں، یا رب العالمین جو خواہشات کی درخواستیں تیرے پاس گئی ہوئی ہیں وہ ساری میں Withdraw کرتا ہوں، واپس لیتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے حوالے کرتا ہوں، مجھے بنا کر رکھ یا بگاڑ کر رکھ، جہاں مرضی رکھ، میں راضی رہوں گا، تاحیات، تا مرگ میں راضی رہوں گا، میں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا ہے، جس طرح کشتی کو دریا کے حوالے کرتے ہیں، بالکل اسی طرح میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا ہے، آج کے بعد میں کوئی درخواست نہیں بھیجوں گا، تیری مرضی پر راضی رہوں گا۔ جب یہ آپ "ہاں" کرنے کے قابل ہو جائیں تو پھر آپ میرے پاس آنا۔ فی الحال یہ ریہرسل کافی ہے۔ بزرگوں کی خانقاہ پر جب عرس ہوتا ہے تو زبردست رش ہوتا ہے۔ اگر اس وقت

آپ صاحبِ مزار کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ آپ کے پاس ان لاکھوں بندوں میں سے کتنے بندے آئے ہیں۔ تو وہ فرمائیں گے کہ آج سارا دن کوئی بندہ نہیں آیا' ہجوم تو بڑا ہے لیکن بندہ کوئی نہیں آیا۔ تو وہ شخص پھر پوچھتا ہے کہ "بندہ" کون ہوتا ہے؟ تو وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ جو اللہ کے راستے پر چلنے والا ہو۔ تو اس راستے پر سے گذرنے والے سارے اس راستے کے مسافر نہیں ہوتے۔ عملی شکل کے بارے میں پہلے بھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ آرزوئیں پوری کرنے والے بزرگ اور ہوتے ہیں اور آرزو ترک کرانے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ اگر ترکِ آرزو کا حوصلہ ہے تو آپ عملی شکل میں آئیں۔ عملی شکل میں آنے والا "فوت" ہو جاتا ہے' فوت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا سے فوت ہونا اور اس کی رضا میں داخل ہو جانا اور اس کی رضا بڑا مشکل کام ہے۔ رضا کا مطلب یہ ہے کہ خود کو اللہ کے حوالے اس طرح کر دینا جس طرح مریض خود کو ڈاکٹر کے حوالے کر دیتا ہے' سواری خود کو ڈرائیور کے حوالے کر دیتی ہے چاہے وہ جیسا ڈرائیور ہو اور اس کے پاس لائسنس بھی نہ ہو۔ تو خود کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ تو رضا یہ ہے کہ جو اللہ سمجھ نہ آئے' اس کے حوالے اپنے آپ کو کر دیں۔ اس اللہ کے حوالے جو بنا کے رکھے یا بگاڑ کے رکھے' چاہے یہاں رکھے' چاہے وہاں رکھے اور رکھے یا نہ رکھے' تو یہاں پر کتنے لوگ ہوں گے جو یہ بات کر جائیں گے۔

سوال :۔

آپ کی ہر بات پر ہم عمل کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن

اصل میں ہم کیا کریں؟

جواب :۔

اس محفل کی باتوں میں سے جو کچھ بھی آپ کے ذہن میں رہ جائے گا وہی کافی ہے۔ مثلاً" میں آپ کے سامنے بات کر رہا ہوں اور یہاں دس آدمی بیٹھے ہیں تو کچھ کے پاس بات ایک فی صد رہ جائے گی اور کسی کے پاس نوّے فی صد بات رہ جائے گی۔ کچھ لوگ جو کیسٹ ریکارڈ کر رہے ہیں ان کو آج یہ بات سمجھ نہیں آئے گی بلکہ ان کو یہ بات آنے والے زمانوں میں سمجھ آ جائے گی۔ اس محفل میں ہم کسی ایک آدمی سے بات نہیں کر رہے بلکہ سب سے بات کر رہے ہیں۔ اس میں جو آپ کے کام کی چیز ہے وہ آپ سمجھتے جائیں اور جو کام آپ کر سکتے ہو وہ کرتے جائیں۔ اگر کسی ایک شخص کا علیحدہ مسئلہ ہے تو اس کا حل بھی علیحدہ ہو گا۔ اس کا حل بھی ہو جائے گا۔ یہ ہمارا طریقہ ہے۔ جہاں آپ یہ سمجھیں کہ مصیبت جو ہے وہ انتہا کو پہنچ رہی ہے' تو دراصل وہاں سے ہی مصیبت ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ تو آپ وضو کریں' کلمہ پڑھیں اور آج کے بعد اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ حضور پاک ﷺ نے کہا کہ اللہ سچا ہے تو ہم نے کہا کہ اللہ سچا ہے' انہوں نے کہا کہ مان لو کہ اللہ ہے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے مانا کہ اللہ سچا ہے اور جو وہ کرتا ہے آپ کے لیے بہتر کرتا ہے' تو پھر آپ اللہ کے مہمان بن جاؤ' وہ اگر فاقہ کراتا ہے تو فاقہ کرتے جاؤ اور کچھ کھلاتا ہے تو کھاتے جاؤ۔ یہ ہمارے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ہم اللہ کو اپنے کام میں لگائیں۔ ہم اگر اللہ کے کام میں لگنا چاہتے ہیں تو بہت اچھی بات

ہے اور یہی ہماری تعلیم ہے اور میں اسی تعلیم کی بات کر رہا ہوں اور اسی علم کی بات کرتا ہوں۔ تو جو کچھ آپ کو یاد رہ جائے وہی بات آپ کی ہے۔ باقی جو دریا گزر رہا ہے آپ اس کو گزرنے دو اور آپ کے پودوں کو پانی کی جتنی ضرورت ہو گی اتنا پانی لگ جائے گا، باقی دریا چلتا جائے گا، آپ دریا کو کوئی بند نہ لگائیں، وہ چلتا جا رہا ہے اور اسے آپ کے گاؤں سے جا کر آگے بہت سارے گاؤں سیراب کرنے ہیں اور یہ دریا اگلی صدی کو بھی سیراب کرے گا۔ جس کنارے سے دریا گزر رہا ہے وہ کنارہ سیراب ہو گا۔ بس آپ کے پاس صداقت ہونی چاہیئے، آنے والوں میں صداقت ہونی چاہیئے، بولنے والوں میں صداقت ہونی چاہیئے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب بات دینے والا مجھے بات دیتا ہے تو پھر میں آپ سے بات کرتا ہوں اور اگر آپ کسی Stage پر یہ بات محسوس کریں کہ بات نہیں آ رہی ہے تو صاف بتا دیا کرو کہ یہ بات سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ آپ ایسے سامعین کو Address نہ کرو، جن کے مجموعی ذہن سے آپ آگاہ نہ ہوں اور جن کے قلوب سے آپ آگاہ نہ ہوں اور ایسے ہی نہ تم قرآن سناتے رہنا۔

سوال :۔

سر! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی بات میرے لیئے نہیں ہوتی تو میں اس کو وصول نہیں کرتا اور وہ میرے اندر داخل نہیں ہوتی تو عرض یہ ہے کہ ایسی صورت میں کوئی بے ادبی یا بے احترامی تو نہیں ہوتی؟

جواب :۔

آپ کی استعداد سے باہر جو چیز ہے اس کے احترام کی بات نہیں۔ لیکن جہاں آپ محروم ہو رہے ہیں، وہاں آپ کو پرواہ ہی نہیں ہے۔ ایک چیز آپ کے مطلب کی ہے اور وہ آپ ذہن میں نہیں رکھ سکے یا Adjust نہیں کر رہے تو اب ایسی صورت حال میں آپ کی مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ اب ایک آدمی اگر بات سمجھ نہیں رہا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے تو جلوہ کیسے دیکھے گا، یعنی جب جلوہ آئے اور آپ آنکھیں بند کر لو تو پھر جلوہ تو نکل جائے گا۔ جلوہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور بات کان سے سنی جاتی ہے، بات دل سے محسوس کی جاتی ہے اور جب دل نہ ہو تو محسوس کون کرے گا۔ دماغ لے کر بیٹھو گے تو بات کیسے ہو گی، بات محسوس تو دل سے ہوتی ہے اگر آپ نقلی طور پر آتے ہیں تو نقلی روشنی ملے گی اور اگر اللہ کے لیئے آتے ہیں تو اللہ تو آپ کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ طے کریں کہ یہاں آپ آتے کیوں ہیں؟ کسی کام کے لیئے کہیں جاتے کیوں ہیں؟ اللہ کی تلاش ہے، اپنی تلاش ہے یا کسی مقصد کی تلاش ہے؟ مقصد یا تو دنیا ہو سکتی ہے یا اللہ۔ اور میں آج پھر کہہ رہا ہوں کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ پھر کہہ رہا ہوں کہ "مرنے سے پہلے مر جاؤ"۔ پھر کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنی خوشیوں اور غموں کا جائزہ لیں، آپ جس بات پر خوش ہیں، کہیں یہ غم والی بات نہ ہو اور جس بات سے غمگین رہتے ہیں کہیں وہی خوشی والی بات نہ ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ عین ممکن ہے کہ وہ چیز جو تم پسند کرو وہ تمہارے لیئے بری ہو اور عین ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو وہ چیز جو تمہارے لیئے بہتر ہو۔ اصل میں

آپ کو بہتر اور برے کا پتہ ہی نہیں۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔ اس لیئے جب کبھی اندر کوئی بات Develop ہونا شروع ہو تو اس کو الفاظ نہ دیا کرو، اس کو اندر چلنے دو۔ جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی آپ کو مشکل لگے تو اس بات پر غور کیا کرو۔ اس کو الفاظ نہ دیا کرو، خود سوچا کرو، ذمّہ داری اسی کا نام ہے۔ ذمّہ داری کیا ہے؟ ہر وہ کام جو اللہ کے راستے پر صاحبِ نیّت کو ملے وہ ذمّہ داری ہے۔ یہ نہ کہنا کہ مجھے بات سمجھ نہیں آئی۔ اس طرح ضمیر مطمئن نہیں ہو گا۔ جواز بنانے سے ضمیر مطمئن نہیں ہوتا۔ یہ کیا ہے کہ اللہ کی بات تو سمجھ نہیں آتی لیکن "بینک" کی بات سمجھ آ باتی ہے۔ اس طرح آگے کے لیئے مشکل ہو جائے گی۔ اس لیئے آپ اپنی ذات کے ساتھ بڑے Sincere ہو جائیں کیونکہ فیصلہ کے دن گواہی آپ کی ذات نے آپ کے خلاف دینی ہے، ہاتھ نے گواہی دینی ہے، کان نے گواہی دینی ہے، بس آپ لوگوں پر خدا رحم کرے۔

سوال :۔

سر! کیا استعداد میں اضافہ ممکن ہے؟

جواب :۔

ہاں استعداد میں اضافہ ممکن ہے۔ آپ استعداد پر بوجھ نہ ڈالیں تو پھر استعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ آپ بڑے سمجھ دار آدمی ہیں لیکن کسی بچے کو بڑا کرنے کا کوئی نسخہ کیوں تلاش کرتے ہیں؟ آپ Wait کریں، انتظار کریں تو بچہ خود ہی بڑا ہو جائے گا اور آپ کو کچھ عرصہ کے

بعد کہے گا کہ ابو شادی کراؤ۔ تو پھر آپ کیوں جلدی میں پڑ جاتے ہیں، بچے کو کھلا کر فورا” بڑا نہیں کیا جا سکتا۔ بس آپ Wait کرو، استعداد خود بخود بڑھ جائے گی، استعداد کو بڑھائیں نہیں۔ جب ذمّہ داری آتی ہے تو استعداد بڑھ جاتی ہے۔ مطلب ہے کہ اگر آپ کو ملک دے دیا جائے، بادشاہ بنا دیا جائے تو خود بخود استعداد بڑھ جائے گی اور پھر آپ جاگنا شروع کر دیں گے اور پھر پچھتانا شروع کر دیں گے، پریشان ہونا شروع کر دیں گے۔ آپ نے استعداد بڑھا کر کیا لینا ہے۔ کھانا پکانے کی استعداد بڑھائیں گے تو مہمان آ جائیں گے، اسی طرح اگر مہمان بلا لو تو خود بخود استعداد بڑھ جائے گی۔ ذمہ داری جوں جوں بڑھتی جاتی ہے استعداد بڑھتی جائے گی۔ استعداد بڑھانے کا نسخہ کوئی نہیں ہے بلکہ صرف استعمال کا نسخہ ہے، تو آپ استعداد کو استعمال کریں گے تو یہ بڑھے گی۔ شہہ سوار وہ ہوتا ہے جو شہہ سواری کرے Things are done by doing them یعنی کام کرنے سے ہوتے ہیں۔ انگریزی کا ایک اور مشہور فقرہ ہے۔ They dance best who learnt dance یعنی کہ ڈانس وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے ڈانس کرنا سیکھا ہو، تو یہ سیکھنے کی بات ہوتی ہے، استعداد بعد میں آتی ہے۔ اگر کسی کو روزہ رکھنے کی عادت پڑ جائے تو پھر خود بخود ہی روزہ قائم ہو جائے گا اور وہ شخص کبھی روزہ ترک نہیں کرے گا۔

سوال :۔

حضور! آپ نے فرمایا ہے کہ استعداد بڑھانے کا فارمولا کوئی نہیں

ہے اور فارمولا صحیح نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ ہر چیز کا ایک Process ہے تو اس کی ذرا وضاحت فرما دیں!

جواب :۔

اچھی نیت کے ساتھ اگر بُرے ماحول میں چلے جائیں تو پھر بھی اچھا نتیجہ نکلے گا۔ آپ نے صرف اپنے آپ کو ٹھیک کرنا ہے۔ ایسا ہوا ہے کہ گانے والے بازار کے اندر ولی اللہ کو دیکھا گیا ہے حالانکہ وہاں سارے شہر کے برے لوگ تھے۔ اور وہ ولی کیا کرتے تھے؟ "اللہ' اللہ" کرتے تھے اور اس بُری جگہ پر کرتے تھے۔ تو آپ کو ہر جگہ پر ہر طرح کا بندہ ملے گا۔ آپ اچھی نیت کرکے قائم ہو جائیں تو آپ کو اچھائی کی خوراک بدی کے ہر علاقے سے مل جائے گی۔ ایک شخص کی کہانی سنو کہ وہ ایک گانے والی عورت' بُری عورت کے پاس گیا اور اس کے مالک سے اس کو خرید لیا۔ اس عورت سے کہا کہ میرے پاس آنے سے پہلے وضو کر کے آؤ اور پھر اسے نماز کے لیئے کھڑا کر دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا باری تعالیٰ میں اسے یہاں تک تو لا سکتا ہوں' آگے تیرا حکم ہی اسے سیدھا کر سکتا ہے' میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تو وہ لڑکی جو تھی وہ اللہ اللہ کرنے لگ گئی اور "ولی اللہ" بن گئی۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے اتنا سب کچھ کیا ہوا ہے' ہر شے کئی دفعہ ہو چکی ہے' اب نئی بات آپ کے لیئے کیا رہ گئی ہے' فرعون سے بڑا باغی کوئی نہیں بن سکتا۔ تو لوگوں نے برے علاقوں سے بھی اچھی اچھی چیزیں لی ہیں' وہ گندے دریاؤں سے بھی اچھی مچھلیاں پکڑ آئے۔ آپ نے اور کچھ نہیں

کرنا۔ دنیا کی ساری کوششیں کیا ہیں کہ کسی طرح موت سے بچ جائیں۔ یہ کام نہ ڈاکٹر کر سکتے ہیں، نہ امریکہ کر سکا ہے اور نہ روس کر سکا ہے۔ تو موت سے بچنے کا کام کوئی نہیں کر سکا ہے، اور دینی کام تو صرف ایک ہے کہ اپنے اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے حبیب پاکؐ کی اطاعت کے قریب ہو جاؤ۔ صرف یہ دو باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمل یہ بتاتا ہے کہ اگر تمہیں میرے گھر کی سمجھ نہیں آتی تو پھر سجدہ کرکے میرے قریب ہو جاؤ! اللہ خود بتاتا ہے کہ میں تیرے قریب ہوں۔ باری تعالیٰ آپ پر احسان کرتا ہے کہ آپ کو اس نے بینائی دی، عقل دی، ذہن دیا، شکل دی، سکون بھی دے گا، عرفان بھی دے گا۔ اصل میں آپ لوگ خود ملاوٹ کرتے اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ آپ لوگ ملاوٹ کرنا چھوڑ دو تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت کچھ ملے گا۔ جو بات اصل میں ہے اس کو وہیں تک رہنے دو۔ اگر اللہ نے ولی اللہ نہیں بنایا تو نہ بنو اور جتنا اللہ نے بنایا ہے وہ کافی ہے۔ اللہ نے آپ کو اچھا انسان بنایا ہے تو آپ اچھے انسان بنے رہو۔ آپ لوگ اپنی ذات کے اندر مبالغہ نہ کرو، اور کسرِ نفسی بھی نہ کرو۔ جو آپ ہو، وہی کافی ہے، صرف وہی رہنے دو That's all! یہ کافی ہے۔ آپ کا گھر اپنا گھر ہے اور وہ بیوی بچوں کا گھر ہے، ان کے لیئے دعا کرنا آپ کا فرض ہے اور ان کی حفاظت بھی آپ کا فرض ہے اور ان کی ہدایت کے لیئے دعا کرنا آپ کا فرض ہے کہ یا اللہ میرے گھر والوں پر اپنا فضل فرما، ان کو اپنے دین کے اندر محفوظ رکھ کیونکہ لادینیت کا حملہ ہو رہا ہے اور اس لادینیت کے اندر ہماری اولادوں کو محفوظ رکھ۔ لادینیت جو ہے وہ ٹی وی کے ذریعے آ رہی ہے، وی سی آر کے ذریعے آ رہی ہے

اور ماحول کے ذریعے آ رہی ہے بلکہ ہر طریقے سے آ رہی ہے۔ تو یااللہ آپ ہی ہماری اولادوں کو دین کے لیئے محفوظ رکھ۔ آپ لوگ یہ دعا کرو۔ جس طرح آپ ان کے لیئے روٹی لاتے ہو، ان کے لیئے نیکی بھی لایا کرو۔ اور یہ بہت ضروری ہے۔ اولاد کی خاطر آپ نیکی میں داخل ہو جاؤ تو وہ اثر قبول کریں گے۔

سوال :۔

حضور! یہ جو دوسروں کو مرعوب کرنے کی خواہش ہے اس بارے میں رہنمائی فرمادیں اور یہ کہ توفیقِ الٰہی کسے کہتے ہیں؟

جواب :۔

دوسروں کو مرعوب کرنے کی جو خواہش ہے یہ دراصل انسان کی صلاحیّت کی رکاوٹ ہے اور جن لوگوں کے اندر آپ اپنے آپ کو مرعوب کرتے ہیں، آپ ان کا درجہ ضرور دیکھیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اس لیئے اگر آپ اچھے لوگوں کو مرعوب کرنے کی خواہش کریں تو پھر آپ کے لیئے یہ بات بہتر ہے۔ تو آپ اپنے سے بہتر انسانوں کی تلاش کریں۔ اکثر انسان ان لوگوں کو مرعوب کرتا ہے جو اس سے Inferior ہوں، کم درجے کے لوگ ہوں، اس طرح وہ غلطی کھا جاتا ہے کہ اس نے حلقہ ہی Inferior چُنا ہے۔ اس لیئے اپنے سے Superior یعنی بہتر تلاش کرو۔ اس طرح دوسروں کو مرعوب کرنے کی خواہش نکل جائے گی، جہاں آپ متاثر ہو سکتے ہیں وہاں آپ ضرور جائیں۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ توفیق کسے کہتے ہیں؟ محنت کی عادت میں اگر آسانی ہو جائے تو اس

کو توفیقِ الٰہی کہتے ہیں اور یہ ایک مستند قول ہے۔ اگر آپ کی کمائی ہوئی دولت جمع کرنے کی بجائے خرچ کرنا آپ پر آسان ہو جائے تو اسے بھی توفیقِ الٰہی کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا حوصلہ اس قدر بڑھ جائے کہ آپ خود پر زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیں تو اسے بھی توفیقِ الٰہی کہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ اگر کسی نے زیادتی کر دی ہے تو اگر آپ معافی مانگنے میں پہل کر گئے تو یہ توفیقِ الٰہی ہے۔ تو یہ سارے شعبے توفیقِ الٰہی کے ہیں۔ اگر خدانخواستہ غریبی آ گئی اور غریبی کے باوجود آپ سجدۂ شکر کر جائیں تو یہ توفیقِ الٰہی ہے۔ اگر مشکل آجائے اور مشکل کے وقت آپ صبر کی بجائے شکر کر جائیں تو یہ توفیقِ الٰہی ہے اور یہ بات بڑے لوگوں کو ملتی ہے کہ جن کا صابرین کے اندر نام ہے، دراصل وہ شاکرین تھے۔ مطلب ہے کہ جتنے بھی شہدائے کرام ہیں، عالی مقام ہیں، وہ صابرین ہیں اور شاکرین ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو مقامِ صبر میں مقامِ شکر پیدا کرنے والے تھے۔ یہ انتہائی توفیقِ الٰہی ہے کہ جن لوگوں کو مقامِ صبر عطا کیا گیا، ان لوگوں نے اسے مقامِ شکر بنا دیا کہ اگر تیری رضا یہ ہے تو ہم بھی راضی ہیں۔ ایک درویش کے پاس ایک بندہ گیا کہ دریا نے اس شہر کا کٹاؤ شروع کر دیا ہے، تو باباجی آپ دعا کریں۔ باباجی نے کدال پکڑی اور دریا کے کنارے کو گرانا شروع کر دیا اور کہا کہ اے اللہ اگر تیری یہی مرضی ہے تو پھر میری بھی یہی رضا ہے۔ کہتے ہیں کہ دریا نے رُخ موڑ لیا۔ تو مدعا یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ دریا بھی رُخ موڑ جاتے ہیں، اگر آپ اس کے ساتھ ہو جاؤ تو وہ آپ کے ساتھ ہو جائے گا۔ مدعا یہ ہے کہ اتنا سارا کام کر دو کہ جہاں اللہ کا واقعہ ہو رہا ہے اس کی رضا سے ہو رہا ہے

اور آپ بھی اس پر راضی ہو جاؤ۔ جو دو آدمی آپ سے ووٹ مانگ رہے ہیں ان میں سے اچھا آدمی کون ہے؟ تو جماعت کے حساب سے بے نیاز ہو کر سوچو اور آپ اپنی عاقبت کے خیال سے سوچ کر اچھے انسان کو ووٹ دو۔ جہاں سچ بولنے پر نقصان کا اندیشہ ہے وہاں بھی سچ بول جاؤ لاتلبسوا الحق بالباطل ولا تکتموا الحق و انتم تعلمون حق کو جھوٹ کا لباس نہ پہناؤ اور حق کو نہ چھپاؤ جب آپ جانتے ہو۔ برملا صحیح گواہی دینا توفیقِ الٰہی ہے۔ تو یہ توفیقِ الٰہی کے بڑے بڑے شعبے ہیں۔ ایک بندہ صحرا میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ دوسرے نے کہا ارے بھائی تو کس کا انتظار کر رہا ہے؟ کہتا ہے کہ بھائی اِدھر ایک بندہ آئے گا۔ اس نے کہا اِدھر بندہ تو بندہ، پرندہ بھی نہیں آئے گا۔ تو وہ کہنے لگا کہ تُو آپ ہی آگیا ہے جو میرے ساتھ بات کر رہا ہے! تو مطلب یہ ہے کہ بندہ تو وہاں خود بخود ہی آجائے گا اور یہ ہے توفیقِ الٰہی! اس کو اعتمادِ الٰہی بولتے ہیں کہ آپ اس کے فیصلوں پر اعتماد کرو، انتظار کرو اور خوش رہو!

آخر میں سب کے لیئے دعا کرو۔ یا رب العالمین تمام حاضرین پر رحم فرما۔ ان کے گھروں کو آسانیوں والا اور سکون والا بنا دے! یا رب العالمین ان پر خاص مہربانی فرما! یا رب العالمین مسلمانوں پر رحم فرما! تمام حاضرین کی جو دلی آرزوئیں ہیں یارب العالمین! ان پر مہربانی فرما دے اور قبول فرما!

صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سید نا و مولانا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

۵

۱ عزت اور ذلت کی اصل حقیقت کیا ہے؟

۲ آپ نے فرمایا ہے کہ اہلِ مزار کے درجات بڑھتے رہتے ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے؟

سوال :۔

عزّت اور ذِلّت کی یُوں تو بہت سی تعریفیں ہیں لیکن اصل میں ان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب :۔

عزّت اور ذِلّت دونوں وہ ہیں جو عزّت والوں کے ہاں قبول ہوں۔ اگر عزّت جو ہے وہ عزّت والے کی نظر میں ہو تب ہی عزّت ہے اور ذِلّت بھی اسی طرح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک معیار بنا دیا گیا ہے کہ یہ اچھا ہے، یہ بُرا ہے اور یہ معیار دینی طور پر بنا دیا گیا ہے۔ دین نے بتا دیا ہے کہ یہ اچھائی ہے اور یہ بُرائی ہے۔ اب جو نیک لوگ ہیں، ان کو معیار مقرّر کر دیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی بدی کا معیار ہیں۔ ان کا نام Standard ہے اور انہی کے احکام سٹینڈرڈ ہیں۔ جو لوگ اس راہ پر چلنے والے ہیں وہ نیک لوگ ہیں اور وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں شخص کی عزّت اس لئے کرو کہ اس کے پاس پیسہ ہے۔ وہ کبھی بھی نہیں کہے گا کہ دین کے علاوہ کوئی معیار ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا معیار دینی

طور پر معیار کہلاتا ہے، وہ پھر اپنا ایک الگ معیار نہیں رکھتے اور نہ ایک الگ سڑک پر چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو معیار ہے وہ غلط ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس پر لعنت ہو اور اس کے لئے دوزخ ہو۔ تو اگر وہ بادشاہ تھا تو عزّت کی بات ہونی چاہیئے تھی کیونکہ اس کے پاس Power ہے، اس کے پاس دولت ہے اور اختیار تو اتنا ہے کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں۔ اس کے آگے کوئی بول نہیں سکتا۔ اس کی پُوری بادشاہت ہے۔ اس زمانے میں فرعون کی بادشاہی پوری تھی لیکن اس کے باوجود وہ ظالم تھا۔ آپ یہ دیکھو کہ بادشاہی کے باوجود اس پر لعنت ہے اور اللہ نے کہا کہ یہ دیکھو کہ اس کو ہم نے غرق کیا۔ تو معیار دولت تو نہیں ہے۔ ابھی آپ کو پتہ چل جائے گا کہ عزّت کیا ہوتی ہے اور اس کا معیار دولت نہیں ہے اور وہ معیار Fame یعنی شہرت بھی نہیں ہے۔ اسی طرح شیطان کے پاس نام بھی ہے اور شہرت بھی ہے لیکن یہ سب کو پتہ ہے کہ وہ لعین اور رجیم ہے۔ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اختیار بھی ان لوگوں کے پاس ہو جو بُرے لوگ ہیں۔ ایک پیغمبر کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اختیار سے باہر ہو یعنی اس کے پاس اختیار ہی نہ ہو۔ حالانکہ اللہ نے ان سے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ ہماری محبت ہے اور ہم نے تمہیں اپنا پیغمبر نامزد کر دیا ہے۔ لیکن رہا مسئلہ دنیا کا تو آپ ذرا تکلیف میں سے بھی گزرو، تکلیف سے پیغمبری قائم رہے گی اور اس کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ حضرت عیسیٰؑ کو لے لو، ان کی پیدائش پر بھی ہنگامہ آرائی ہو گئی۔ نارمل پیدائش ہو جاتی تو الزام تراشیاں نہ ہوتیں۔ کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہ

ان کو ویسے پیدا کر دیا۔ تو It could be otherwise یعنی اگر Otherwie ہو جاتا تو پھر آدھا الزام تو ختم ہو جاتا۔ لیکن اللہ صحیح ہی کرتا ہے۔ اس لیے آپ توبہ کرتے جاؤ۔ کیونکہ یہ اللہ کے کام ہیں۔ یہ تو ان کو عزت عطا ہوئی ہے کہ ان کو پیغمبر بنایا گیا اور نامزد کیا گیا۔ اگر اللہ ان کو Normal Father، عام باپ عطا فرما دیتے تو وہ Normal Child، عام بچے ہو جاتے اور پیغمبری بھی مل جاتی۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا اور یہ اللہ کے کام ہیں۔ یہ آپ انسان ہیں جو یہ چاہتے ہو کہ ایسا ہو جاتا تو بہتر تھا۔ مگر بہتر وہ ہے جو اللہ نے چاہا۔ تو اب عزّت کیا ہوتی ہے؟ جو اللہ چاہے۔ اس کے معیار پر چلو گے تو یہ عزّت ہے۔ ورنہ آپ کا معیار تو وہی دنیا والا ہے۔ دنیا دار کیا چاہے گا؟ کہ Evergreen رہے، یعنی ہمیشہ جوان رہے، صحت مند رہے، پیسے کی کمی نہ ہو، لوگ سلام کریں، کچھ اختیار بھی ہو کہ لوگ کہا مانیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے یہاں رہ جائے۔ اس کے علاوہ آپ کی اور کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ یعنی انسان جو ہے

Wants to save himself forever and he can not

دنیا میں رہنا چاہتا ہے مگر اللہ کی اجازت کے بغیر۔ آہستہ آہستہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، رنگ اُڑ جاتا ہے اور جگنو اُڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نیک لوگوں کے ذریعے ایک ہی بات بتائی ہے کہ بہتر راستہ اور بہتر عزّت وہ ہے جو اس نے پیغمبروں کو عطا کیا ہے۔ یہ آپ لوگوں کے لیئے ایک اصُول ہے اور اس کے ساتھ آپ کے لیئے ایک صحیح راستے کی نشان دہی ہے، وہی Best راستہ ہے اور وہی Best معیار ہے۔ وہ معیار یہ ہے کہ جو اللہ

کے قریب ہو گا وہ عزت کا مقام ہو گا اور جو حضور اکرم ﷺ کے قریب ہو گا وہ عزّت کا مقام ہے۔ اسی طرح جو شخص جتنا دور ہو گا اتنا کم عزّت والا ہو گا بلکہ یہ غیر عزّت کا مقام ہو گا۔ جو اللہ اور اللہ کے حبیب پاکؐ کے مقابلے میں آئیں گے ان کے لیے ذِلّت کا مقام ہے۔ اب اللہ جس کو چاہتا ہے عزّت عطا کرتا ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے حبیب پاکؐ کی محبت عطا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذِلّت عطا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے اس قابل نہیں سمجھتا کہ یہ میرے حبیب پاکؐ کی عزّت کرے یا احترام کرنے، اس بے ادب شخص سے وہ محبت لے لیتا ہے اور اس کو محبت ہی نہیں ہوتی۔ تو اللہ کی عطا کیا ہے؟ اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت اور جو اس قابل نہیں ہوتا وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے، ایسے لوگ ذِلّت میں چلے گئے ورنہ اللہ کو کیا ضرورت ہے کسی کو ذِلّت دینے کی۔ بتایا یہ گیا ہے کہ یہ میرے اپنے کام ہیں۔ یہ پوری آیت ہے۔ للہ ملک السمٰوات والارض۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہی اللہ کے لئے ہے۔ اور یہ کہ تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعزّ من تشاء وتذل من تشاء جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے، ملک عطا کرتا ہے، جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے، عزت ذلت اس کی طرف سے ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بغیر حساب دے دیتا ہے۔ اللہ اس کو وافر دے تو اس کی مرضی اور نہ دے تو اس کی مرضی۔ یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا تمہارے حساب سے باہر ہے۔ تمہارے Calculator میں یہ بات نہیں آئے گی۔ ایسا نہیں ہو گا کہ اتنے درجے کی محنت کرو تو اتنے درجے کا رزق مل جائے گا۔ ساری عمر

محنت کرو گے تو نہیں ملے گا، مزدور محنت کرے گا تو اسے اس طرح نہیں ملے گا اور جو دوسرا آدمی ہے، محنت کئے بغیر اشارہ کرے گا تو پیسہ مل جائے گا۔ تو پیسے کے معیار سے آپ یہ نہیں سوچ سکتے کہ کون باعزت ہے اور کون بے عزت ہے۔ پیسہ اللہ کی طرف سے بے حساب آتا ہے۔ اللہ کے ساتھ حساب کی ضرورت ہی کوئی نہیں، جب آدمی حساب کرتا ہے، وہاں سے گمراہی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو کچھ ہے وہ بے حساب ہے یعنی اگر روشنی دی تو پھر ساری کائنات کو روشن کر دیا۔ چاند اور ستارے بنا دیے۔ وہ ستارے بنانے پہ آئے تو بے شمار بناتا جاتا ہے اور اگر ریت کا ذرّہ بنانے پہ آئے تو ریت کا ذرّہ بناتا چلا جاتا ہے۔ صحرا کے اتنے ذرّے ہیں کہ جتنے ذرّے ہو ہی نہیں سکتے۔ سمندر کے قطرے بنائے تو قطرے ہی بناتا چلا جاتا ہے اور جب اس نے بندے بنائے تو بناتا ہی چلا گیا اور ابھی تک بناتا چلا جارہا ہے۔ تو اس کا تو کام ہی بے حساب ہے اور وہ آپ کے حساب سے باہر ہے۔ اگر وہ عزّت عطا کرے تو عزّت اتنی ہو جاتی ہے کہ بس بے حساب ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی عزّتیں چلتی جارہی ہیں۔ آج تک وہ بندے صاحبانِ عزّت ہیں۔ اور یہ بڑے راز کی بات ہے کہ ان صاحبان کی اپنے دور میں تو عزّت ہوگی کیونکہ لوگ جانتے تھے کہ انہوں نے کمالات کئے ہیں، نیکی کی ہے۔ مثلاً "داتا صاحب" بڑا کام کر گئے۔ چلو وہ لوگ تو جانتے تھے کیونکہ انہوں نے انہیں نماز پڑھتے دیکھا، تہجد گزارتے دیکھا اور آج کل جنہوں نے دیکھا نہیں وہ عزّت کیسے کر رہے ہیں؟ یہ اللہ کے کام ہیں۔ تو اللہ صاحبانِ عزّت کو اتنی عزت عطا کرتا ہے کہ ان کے جانے کے بعد بھی

عزّت ہوتی رہتی ہے اور ان کا مزار بھی درجات طے کرتا رہتا ہے۔ اگر صاحبِ مزار تہجد گزار تھا تو مزار بھی تہجد گزار ہے۔ تو "تھا" کے ساتھ "ہے" یوں لگتا ہے کیونکہ آج بھی وہ عزّت کا مقام ہے اور ان کے درجات جو ہیں وہ آج بھی بلند ہوتے جا رہے ہیں۔ تو اللہ کی طرف سے عزّت کیا ہوتی ہے؟ جس کو چاہتا ہے اسے لوگوں کی اور اپنے بندوں کی نگاہ میں باعزّت بنا دیتا ہے، اتنا باعزّت بنا دیتا ہے کہ جو اس کے آنے والے بندے ہیں وہ بھی عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو جس کو اللہ میاں باعزّت بنا دے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے باعزّت بن گیا۔ پھر یہ نہیں ہے کہ وہ شخص ایک سال کے لیئے، ایک دور، ایک صدی کے لیئے، ایک زمانے کے لیئے باعثِ عزّت ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیئے۔ تو ایسا شخص پُوری کائنات کے لیئے، ہمہ حال، ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے باعزّت ہو گیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کل تو یہ مزار بڑا باعزّت تھا اور اب نہیں ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور جس کو بُرا کہا یا کوئی ذِلّت دے دی تو وہ ہمیشہ کے لیئے ذلیل ہو گیا۔ مثلاً" یزید اور امامِ عالی مقامؑ کا واقعہ دیکھیں تو یزید کو ذِلّت والا بنایا گیا اور وہ ہمیشہ کے لیئے ذِلّت والا ہی رہے گا۔ تو اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے میری بات غور سے سنیں، کہ میں ہی لوگوں کو بادشاہت دیتا ہوں اور میں ہی انہیں معزول کرتا ہوں۔ اللہ کہتا ہے کہ تم اپنے لیئے خود بادشاہت نہ مانگنا ورنہ پھر گڑ بڑ ہو جائے گی اور معزول ہو جاؤ گے، بادشاہت ہم ہی دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ بادشاہت دیتا ہے ان کی بات ہی اور ہے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ جس کو ہم بادشاہت دیتے ہیں وہ ہماری طرف سے اچھا چلتا رہتا ہے اور جس کو آزمائش کے لیئے دیتے ہیں

وہ لوگوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ بادشاہت اللہ کی طرف سے آزمائش بھی ہے اور اس میں خطرہ بھی ہے کیونکہ وہ بادشاہت تو ذِلّت کے معنوں میں ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ ہم نے کسی کو ذلیل کیا تو اسے بادشاہ بنایا اور ہم نے کسی کو باعزّت کیا تو اسے بادشاہ بنایا۔ تو ایک ہی عمل سے دو متضاد نتیجے اللہ میاں ہی نکال سکتا ہے۔ مثلاً" اللہ کہتا ہے کہ اسے باعزّت کرنا ہے تو غریب کر دو اور دوسرے کو باعزّت کرنا ہے تو اسے امیر بنا دو۔ تو کبھی دولت میں عزّت ہے اور کبھی غریبی میں عزّت ہے۔ اسی طرح کبھی غریبی میں ذِلّت ہے اور کبھی دولت میں ذِلّت ہے۔ اصل میں جو راز ہے وہ امرِ الٰہی کے اندر ہے۔ تو پھر کیا کرنا چاہئے؟ آپ ماحول کی پرواہ نہ کیا کرو۔ چھوٹی جگہ پر بھی سکون والے لوگ رہتے ہیں اور محلوں میں بھی بادشاہ سسکیاں بھرتے رہتے ہیں۔ یہ کیسے پتہ چلے کہ کون سا بادشاہ کیا ہے؟ اچھا بادشاہ اس کو ہم کہیں گے جس سے محبت کرنے سے آپ کے خیال میں آپ کے اعمال نامے میں نیکی لکھی جائے۔ اگر آپ اس سے محبت کریں اور نیکی نہیں لکھی جاتی تو اس بادشاہ کے خلاف جہاد تمہاری طرف سے لازم ہے۔ یعنی آپ کے ملک کا کوئی Head of state یعنی سربراہِ مملکت ہو تو اگر اس سے محبت کرنا آپ کے خیال میں، آپ کے اعمال نامے میں نیکی لکھنے کے مترادف ہے تو وہ آدمی اچھا ہے۔ اگر اس آدمی سے محبت کرنا ایمان کا خطرہ ہے تو یہ سمجھو کہ اس آدمی کے خلاف ہونا ہی ایمان ہے۔ جب تک آپ کو اپنے ملک میں ایسا آدمی نہیں ملتا جس سے محبت کرنا، ایمان سے محبت ہو تو پھر آپ یہی کچھ کرتے رہیں گے جو کر رہے ہیں یعنی کبھی محبت کبھی

نفرت۔ تو وہ بادشاہت عزت کا مقام نہیں رہے گی۔ پھر عزت کا مقام کیا ہے؟ مثلاً" آپ یہ دیکھیں کہ صحابہ کرامؓ سے محبت کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ آپ کے اعمال نامے میں نیکی لکھی جائے گی۔ اگر ہم تمام صحابہ کرامؓ کی عزت کرتے ہیں' توقیر کرتے ہیں تو یہ کیا ہے؟ عزت کا مقام ہے۔ اگر امام عالی مقامؑ سے محبت کرتے ہیں تو اس سے تو ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اگر ہم امام عالی مقامؑ سے محبت کرتے ہیں' یہ تو ہمارے ایمان کا حِصّہ ہے۔ تو وہ لوگ جِن کی محبتیں ایمان کا حصّہ ہیں ان کا عزت کا مقام ہے اور وہ لوگ جِن سے محبت کرنے سے ایمان کی نفی ہو جاتی ہے وہ عزت کا مقام نہیں ہے۔ اب یہ بات آپ کو خود طے کرنی ہے کہ عزت کا مقام کیا ہوتا ہے' ذِلت کا مقام کیا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کس طرح عطا فرماتا ہے' یہ سب کیسے ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ بے حساب کیسے عطا کر دیتا ہے' رات کیا ہوتی ہے' دن کیسے ہو جاتا ہے' رات کو دن پر کیسے حاوی کرتا ہے اور دن کو رات پر کیسے حاوی کرتا ہے' دن رات ایک دوسرے کے پیچھے کدھر جارہے ہیں' یہ کیا واقعہ ہو رہا ہے' گردشِ لیل و نہار کیا ہے۔ اتنی چیزیں جاننے والی ہیں کہ آپ کے پاس ٹائم ہی نہیں ہے۔ زندگی کے دامن میں تو ہے ہی کچھ نہیں' صرف زندگی ہے۔ آدھی زندگی تو سونے میں نکل جاتی ہے۔ بعض لوگوں کی تہائی زندگی سونے میں گزر جاتی ہے' کچھ زندگی تلاشِ روزگار میں نکل جاتی ہے۔ پھر کچھ زندگی آپ نے بیچ دی تاکہ باقی کے گھر والے افراد محفوظ ہو جائیں مثلاً" آپ نے پورا مہینہ بیچا تو پہلی تاریخ محفوظ ہو گئی' تنخواہ مل گئی جس سے خرچہ چلے گا۔ تو آپ یہی کچھ کرتے رہتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی علم کی تلاش میں نکلا تو ڈائریکٹریوں

میں اور ڈکشنریوں میں اس کی زندگی ضائع ہو گئی اور اگر علم حاصل کر بھی لیا تو لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہاں تو اللہ میاں نے یہ پوچھنا ہے۔ پھر آپ کا ایم۔ اے اور آپ کا میرٹ کس کام آئے گا۔ تو مسلمانوں کو تعلیم تو آپ اور چیز کی دے رہے ہیں اور انہیں بتاتے یہ ہیں کہ تم سے اللہ میاں یہ پوچھے گا۔ تو یہ جب اللہ نے پوچھ لیا کہ چوتھا کلمہ سنا دو تو وہ کہے گا کہ مجھ سے کسی چیز کے معنیٰ پوچھیں، کسی ریسرچ کے بارے میں پوچھیں، ہم جو کچھ پڑھتے آ رہے ہیں وہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں۔ مگر اللہ کے ہاں کوئی اور ہی واقعہ نکل آیا۔ تو گویا کہ آپ نے اس طرح کا جو علم حاصل کیا ہے یہ بتا دینا بند کر دیں۔ تو یہ دقّت کا باعث ہے۔ سارا پرابلم اس لیئے ہوتا ہے کہ جو چیزیں ضروری ہیں وہ دوسرے شعبے میں غیر ضروری ہے اور جو غیر ضروری ہے وہ یہاں ضروری ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میرے پاس پیسے تو تھے مگر سارے ضائع ہو گئے۔ دوسرے نے پوچھا کہ کیسے؟ اس نے کہا کہ فقیر مجھ سے سارے پیسے لے گیا۔ تو دوسرے نے کہا تیرے وہی پیسے بچ گئے جو تو نے اس فقیر کو دیے تھے۔ تو اصل میں حقیقت یہ ہے کہ آپ دوسروں کے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کیا قِصّہ ہے، پیسے کمانے کا اور خرچ کرنے کا، اور اللہ کا کیا کام ہے اور آپ کا کیا کام ہے، اور جو آپ تلاش کر رہے ہیں وہ کیا ہے۔ ایک تو انسان کی زندگی ہے اور وہ تنہا ہے۔ پھر عقیدہ آتا ہے کہ آپ کا کیا عقیدہ ہے، کیا Believe کرتے ہیں اور کیا نہیں Believe کرتے یعنی خدا ہے یا خدا نہیں ہے۔ اور اگر خدا ہے تو کیا ہے، نہیں ہے تو کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں

آپ کا سوچنا، اس کو ماننا اور اس کے خیال میں رہنا ضروری ہے۔ اللہ کے بارے میں آپ جو کچھ سوچتے ہیں یہ آپ کا تنہائی کا عقیدہ ہے یعنی جب آپ بالکل All alone، تنِ تنہا بیٹھے ہوں۔ تب آپ یہ بھی سوچتے رہتے ہیں کہ سجدہ کر لیا جائے۔ تو گویا کہ آپ ایسا عقیدہ رکھتے ہو جس میں سجدہ ہوتا ہے، اللہ ہوتا ہے، اللہ کے حبیبؐ ہوتے ہیں۔ یہ آپ کی تنہا زندگی ہے، اس سماج کی زندگی ہے۔ اب آپ یہ سوچیں کہ سوسائٹی کے لیئے آپ کی Contribution کیا ہے، آپ نے سماج کے لیئے کیا کیا ہے۔ پھر آپ نے اپنی ایک اور زندگی بنا لی، انٹرنیشنل لائف یعنی بین الاقوامی حوالے سے زندگی بنا لی مگر وہ آپ کی دینی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے آپ کو دِقّت پیدا ہو گئی بلکہ پریشان ہو گئے۔ پھر آپ کے پاس یہ ہونا چاہیئے اور وہ ہونا چاہیئے مگر یہ ساری باتیں اسلام کے خلاف ہیں۔ اگر آپ نے اسلام کے نام پر جنگ لڑی تو غیر اسلامی لوگ آپ کو تباہ کر کے رکھ دیں گے بلکہ برباد کر کے رکھ دیں گے، آپ کو نشانہ بنائیں گے۔ فی الحال آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ تنہا زندگی کیا ہے، آپ کا سماج کیا ہے اور آپ کی اسلامی مِلّت کیا ہے، اور ان کی قوت کیا ہوتی ہے، کیا قوّت نام کی کوئی چیز مسلمانوں کے پاس ہے، کیا قوت نام کی چیز کبھی مسلمانوں کے پاس رہی ہے مگر آپ کبھی کچھ بات کرتے ہیں اور کبھی اور بات کرتے ہیں۔ پہلے آپ اپنے بیان درست کریں پہلے اپنے آپ کی اصلاح کریں۔ پھر Common man یعنی عام آدمی اور آپ کے نوجوان کو سمجھ آئے گی کہ شکست کھانا یا فتح کرنا بے معنی چیز ہے، اصل چیز عقیدہ ہے۔ عقیدہ صحیح ہونا چاہیئے پھر شکست بھی فتح ہو جاتی ہے کیونکہ

عقیدے والا مردِ مومن ہوتا ہے، حق آگاہ ہوتا ہے۔ تو آپ اپنی Language کی، اپنی زبان کی اور آپ اپنی تبلیغوں کی اصلاح کریں۔ پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی کہ عزّت کا مقام کیا ہے۔ آپ تو ایک زر پرست اور ہوس پرست قوم بنتے جا رہے ہیں۔ پھر آپ کو کون بچائے گا۔ اب بچانے والا آپ کو آپ کے ہاتھوں سے بچائے گا کیونکہ آپ اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں۔ ایسے میں آپ کے امام نے کیا کرنا ہے؟ وہ آپ سے آپ کے پیسے کی محبت چھین لے گا۔ چھیننے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ پیسہ دینا شروع کر دو یا وہ آپ سے آپ کا پیسہ ہی چھین لے گا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ آپ امام عالی مقامؑ سے محبت کرتے ہیں تو آپ تو پیسے سے محبت کرنے والے لوگ ہیں اور پیسہ جو ہے وہ آپ کی اللہ کی راہ میں محبت کرنے میں حائل ہے۔ تو آپ پیسے کو یا تو چھوڑ دو یا پھر چِھن جائے گا۔ دعا کرو پیسہ آپ سے چِھن جائے! ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حج پر جا رہے تھے۔ جب کردستان کے علاقے سے گزرے تو ڈاکو آ گئے۔ ڈاکوؤں نے کہا تمہارے پاس جو ہے یہاں رکھ دو۔ لوگوں نے پیسے اور سب سامان نکال کے رکھ دیے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ سب کی تلاشی لو۔ جب تلاشی لی گئی تو سردار کے پاس سے کچھ اشرفیاں نکل آئیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ جو قافلے کا سردار ہے، جس سے پیسے نکلے ہیں، اس کو قتل کر دو اور باقیوں کو جانے دو۔ تو کتاب لکھنے والے کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے سردار کو قتل ہونے دیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا تو کیسے کہتا ہے کہ یہ تیرا امیر ہے کیونکہ سچے کا سردار جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے

کیونکہ تم تو سب سچے ہو اور یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم حج کرنے والوں کو متوکّل بنا کے بھیجتے ہیں مگر تمہارا سردار غیر متوکّل بندہ ہے' اس کو پھانسی لگاؤ۔ تو داتا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے امیر کے لیئے معافی مانگی اور پھر ہم سارے لوگ سفر پر روانہ ہوگئے۔ تو یہ بھی واقعہ ہے۔ کبھی کبھی ڈاکو جو ہے وہ بھی سرکاری کام کرتا ہے یعنی آپ سے پیسے کی محبت چھینتا ہے۔ تو آپ کے لیئے وقت آگیا ہے کہ پیسے کی محبت چِھن جائے یا پیسہ چِھن جائے۔ تو اللہ کے کام جو ہیں ان میں آپ یہ سمجھا کرو کہ اللہ تعالیٰ مہربانی کس طرح کرتا ہے' بعض اوقات پیسہ دے کے اور بعض اوقات پیسہ لے کے مہربانی کرتا ہے۔ عزّت اور ذِلّت اس کی طرف سے ہے۔ اس بات کو Judge کون کرے گا اور پتہ کیسے چلے گا۔ تو اللہ نے اس کا معیار پہلے سے دیا ہوا ہے۔ تو ہر بات کو اللہ کے دیے ہوئے معیار پہ تولو۔ ساری بات آپ کی اپنی Development کی ہے' اپنی سوچ کی ہے اور اپنے اندازے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیئے ہیں۔ اس دنیا کو ضرور دیکھو اور معیار اپنے پاس رکھو کیونکہ پھر آپ نے اللہ کے پاس جانا ہے اور اللہ کے آگے پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہنا کہ کوئی مجبوری ہے۔

سوال :۔

آپ نے فرمایا کہ اہلِ مزار کے درجات بڑھتے رہتے ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے؟

جواب:۔

ہاں بڑھتے رہتے ہیں۔ وہ کون سا عمل کر رہے ہوتے ہیں؟ عمل ان کا یہ ہے کہ وہ سینہ ٹلی نظر میں زندہ ہوتے ہیں۔ ان کا عمل ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں روشنی ڈال دیتے ہیں۔ اور روشن لوگ جب بھی نیکی کرتے ہیں تو روشن بنانے والے کے درجات میں اضافہ ہو جائے گا۔ مثلاً" وہ ایسی کتاب لکھ گئے کہ پڑھنے والے کو اللہ یاد آگیا۔ تو اس طرح مصنّف کے درجات بڑھ جاتے ہیں۔ آپ یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے ماں باپ پہ رحم فرما گویا کہ اولاد کی دعا ماں باپ کے کام آ سکتی ہے چاہے وہ مر بھی گئے ہوں۔ اسی طرح ایک آدمی کی دعا اس کی اولاد کے کام آ سکتی ہے چاہے وہ زندہ ہوں' چاہے وہ زندہ نہ ہوں۔ لہٰذا مرنے کے بعد بڑے مقامات طے ہوتے ہیں۔ آپ کی نماز جنازہ مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس میں آپ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ اس میّت کی معافی کر دے۔ میّت تو میّت ہے' وہاں اس کا کیا عمل ہے۔ مگر آپ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو یا اللہ معافی دے دے' اس کے گناہ معاف کر دے۔ حالانکہ اس میّت کی تو زبان ہی کوئی نہیں ہے۔ تو مرنے والا اگر اچھا آدمی ہے تو اس کی زبان آپ لوگ ہیں۔ اس کا عمل کہاں سے شروع ہو رہا ہے۔ اس کے آستان پر آپ قرآن پڑھتے ہیں' درود شریف پڑھتے ہیں اور درجات ان کے بڑھ جاتے ہیں۔ عمل آپ کا ہوتا ہے اور درجہ ان کا بڑھتا ہے۔ اگر کوئی مسجد بنا جائے تو جب کوئی وہاں نماز پڑھے گا تو مسجد بنانے والے کے درجات بلند ہوتے جائیں گے۔

آخر میں آپ سب لوگوں کے لیئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی

فرمائے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی محبت عطا فرمائے۔ آمین

صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولٰینا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین

☆…○…☆

۶

۱ جس طرح انسان پرورش پاتا ہے کیا اسی طرح روح بھی بڑھتی ہے؟

۲ کیا تزکیۂ نفس اور روح کی تلاش ایک چیز ہے؟

۳ کیا انسان روح کی دریافت میں جلد باز ہے؟

۴ خیال کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

۵ انسان جو محنت اور وظیفہ کرتا ہے، اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو کیا وہ ضائع ہو جاتے ہیں؟

۶ یقین میں تذبذب کیا چیز ہے؟

سوال :۔

حضورا! جس طرح انسان پرورش پاتا ہے کیا اسی طرح رُوح بھی بڑھتی ہے یا کہ رُوح ایسے ہی ہوتی ہے جیسے پہلے دن سے ہوتی ہے؟

جواب :۔

رُوح جو ہے وہ رُوحوں کے ساتھ متاثر ہوتی رہتی ہے۔ کچھ رُوحیں مقدّس ہوتی ہیں اور وہ پیدائش کے بعد ایک جیسی رہتی ہیں، ان رُوحوں کے اندر پرواز رہتی ہے، وہ پروان چڑھتی رہتی ہیں، پاکیزہ ہوتی رہتی ہیں۔ رُوحیں اثر قبول کرتی ہیں ماحول سے، دنیا سے، بیان سے، اللہ اور رسولؐ کے قرب سے، درُود شریف سے اور قرآن شریف سے رُوح کے اندر پاکیزگی آتی رہتی ہے۔ اس لیئے رُوح جو ہے یہ Develop ہونے والی چیز ہے اور رُوح کو Develop کیا جاسکتا ہے، وہ اس طرح کہ جس طرح جسم کی غذا جسم کو Develop کرتی ہے، اسی طرح رُوح کی غذا ہے، وہ رُوح کو Develop کرتی ہے، جسمانی غذا جو ہے وہ ٹھوس ہے

یعنی کھانا پینا جو انسان کے جسم کو Grow کرتا ہے۔ رُوح کی غذا اللہ کا ذکر ہے اور اس ذکر سے یہ پروان چڑھتی ہے، پاکیزہ ہوتی رہتی ہے۔ اصل میں ایک لحاظ سے یہ بات صحیح ہے کہ رُوح کے اندر Development کا اضافہ کہاں سے آیا؟ سوال یہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ رُوح کو آپ یوں سمجھیں کہ ایک آئینہ ہے اور آئینے پر گرد جما ہوا ہے، حالات کا، زمانے کا، Tragedies کا، بے قاعدہ افکار کا، بے وجہ غم کا، پریشانیوں کا، لالچ کا، اندیشے کا اور اشیاء کی گنتی کا۔ تو گاہ بہ گاہ یہ گردو غبار آئینے پر جم گیا۔ یہ یاد رہے کہ گرد کے نیچے آئینہ محفوظ ہے، گرد کا یہ غبار رُوح پر ایسے ہوتا ہے جس طرح کافر پر کفر کا اور فلسفی کے اوپر فلسفے کا، دنیا دار پر دنیا کا ایک غلاف چڑھ گیا ہوتا ہے۔ اب آپ نے وہ غلاف ہی ہٹانا ہے اور کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ گرد کے نیچے تو وہ رُوح ہے جو عین اللہ ہے "عین" کے معنیٰ آپ سمجھتے ہیں ناں، یہ دریا اور چشمے کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے اندر خود بخود ہی اللہ تعالیٰ کی جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ "صیقلِ آئینہ ہنوز" کرتے جائیں یعنی اپنے آئینہ کو چمکاتے جائیں، پالش کرتے جائیں پھر پتہ چلے گا کہ آپ کو صرف "الف" درکار ہے۔

اِکو الف تیرے درکار

تو شاعر کہتا ہے کہ اصل بات تو ہمیں سمجھ آگئی ہے کہ سب کچھ "الف" ہے اور "ب" کی ہمیں ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ "الف" کا معنیٰ اللہ اور "ب" کا معنیٰ ہے دنیا کا ساز و سامان اور یہ جو آپ سارا دن کام کرتے رہتے ہو، اس طرح سارے کام کرتے کرتے آدمی کاموں میں

سے نکل جاتا ہے تو اسے سمجھ آتی ہے کہ اس نے ایک کام تو کیا نہیں اور اصل میں اسی کام کی ضرورت تھی یعنی "الف"۔ اس لئے بابا بلھے شاہؒ کہتے ہیں کہ۔

اِکو الف تیرے درکار

بابا بلھے شاہؒ نے بات کو پالیا، راز پالیا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمیں اور کسی کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ اللہ کے آگے کیا ہے؟ اللہ کے آگے کچھ بھی نہیں ہے، اللہ سے پہلے کیا ہے؟ اللہ سے پہلے کچھ بھی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ "الف" موجود ہے، اول بھی موجود ہے، آخر بھی موجود ہے اور آپ نے صرف اپنے آئینے کو پالش کرنا ہے، اس کے اوپر سے غلاف اتارنے ہیں، جو تہہ در تہہ ہیں۔ "صیقل" بعض اوقات نگاہ سے ہوتا ہے، بعض اوقات وِرد سے ہوتا ہے، وظائف سے ہوتا ہے، کثرتِ دعا سے ہوتا ہے، کثرتِ توجہ سے ہوتا ہے اور بعض اوقات دنیا سے انحراف کرنے میں ہوتا ہے کہ آپ دنیا کو چھوڑ جائیں یعنی دنیاوی واقعات کم کر دیں اور دنیا کی دولت جس پر آپ خوش ہو رہے ہیں، اس کو تقسیم کر دیں۔ اور یہ صیقل لوگوں کی خدمت سے بھی ہو جاتا ہے اور پھر وہ آئینہ جو ہے وہ خود بخود بتاتا ہے کہ میں کیسے پالش ہوں گا۔ تو جس وقت آئینے میں عین کا عکس آگیا یعنی اللہ کا عکس آگیا تو پھر رُوح Develop ہونے لگتی ہے۔ Development اور ضرورت، صرف آئینے کو پالش کرنے کی ہے۔ رُوح جو ہے یہ ایک مکمل فارم ہے، مکمل اکائی ہے، جو یا تو حاصل ہو گی یا نہیں ہوگی، اگر انسان کو رُوح حاصل نہیں ہو گی تو یہ گرد و غبار میں گم ہو جائے گی، ایسے جیسے اس کے پاس

رُوح ہے ہی کوئی نہیں اور جیسے وہ ایک جانور ہے۔ اب اس بات کو یوں تقسیم کرتے ہیں کہ جانور اور انسان کے درمیان کوئی فرق ہونا چاہئے۔ یہ فرق ہوتا بھی ہوگا اور یہ فرق ہے بھی سہی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان بولتا ہے اور جانور بولتا نہیں ہے لیکن کچھ جانور بولتے بھی ہیں۔ کچھ کہتے ہیں انسان سوچتا ہے اور جانور سوچتے نہیں ہیں لیکن کچھ جانور سوچتے بھی ہیں، انسان ماضی کی بات یاد رکھتا ہے لیکن جانور ماضی کی بات یاد نہیں رکھتے لیکن کچھ جانور ماضی کو یاد بھی رکھتے ہیں جیسے اونٹ جو ہے یہ پرانا بدلہ لیتا ہے، دس سال بعد بھی بدلہ لے گا، ہاتھی، بھینس اور اونٹ بدلہ لیتے ہیں اور ہاتھی بڑا خطرناک بدلہ لیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا ماضی بھی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو مستقبل کا خیال ہے لیکن جانوروں کو مستقبل کا خیال نہیں ہے اس لئے انسان اشرف ہے لیکن کچھ پرندے ایسے ہیں جن کو مستقبل کا خیال ہوتا ہے، وہ گرمیوں میں گھونسلا بناتے ہیں، آشیانہ بناتے ہیں تاکہ سردی سے بچ سکیں۔ لہٰذا سوچنا چاہئے کہ کیا وجہ ہے کہ انسان کو جانوروں پر فوقیّت ہے؟ اس کا جواب یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے پاس "رُوح" ہے۔ "رُوح" کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اللہ کا امر ہے اور یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی امانت قبول کرلی ہے۔ باقیوں کے اندر جو بات ہے وہ صفت کے جلوے ہیں لیکن لنسان کے اندر ذات کا جلوہ ہے۔ آپ ذات کا جلوہ جو ہے وہ آئینہ صفات میں دیکھیں گے اور یہ آئینہ جو ہے یہ رُوح ہے۔ تو رُوح کو اس لئے پالش کیا جاتا ہے۔ روح کی تقویّت کے لئے بزرگوں نے بے شمار طریقے بتائے ہیں کہ رُوح کو Discover کیسے کرتے ہیں۔ جب وجود مر

جائے گا تب کس نے قائم رہنا ہے؟ رُوح نے ہی قائم رہنا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ جب وجود مر جائے تو انسان کیسے قائم رہتا ہے؟ آپ یہ دیکھیں کہ جب انسان سو جائے تو قائم کون ہوتا ہے؟ اگر تو سو گیا اور ختم ہو گیا تو پھر اٹھا کون، اور بیدار کون ہوا؟ اور اگر وہ وہی تھا تو سویا کیوں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونے والا، کوئی چیز، کوئی زندہ رہنے والی چیز اپنے پاس رکھتا ہے۔ تو جو چیز زندہ رہنے والی ہے، وہ وہی ہے جس کے ساتھ وابستگی ہے اور اس کو رُوح کہتے ہیں۔ نیند کے عالم میں بھی آپ کی رُوح آپ کے لئے سیر کرتی ہے۔ اگر اچھا وجود ہو اور رُوح پالش کی ہوئی ہو تو رُوح آپ کے لئے مکاشفات لاتی ہے، اچھے خواب لاتی ہے اور بعض اوقات اُلجھے ہوئے سوالوں کا جواب لاتی ہے۔ اگر ایک سوال حل نہیں ہو رہا ہے، ایک مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو رہا ہے تو پھر اس کے لئے کیا کیا جائے؟ سوچتے سوچتے بے چارہ انسان پریشانی میں سو گیا اور جب اٹھا تو نعرہ حیدری لگایا کیونکہ خواب دیکھا تو اس کے سوال کا حل تھا۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اس مسئلے کو یوں حل کر لینا چاہئے۔ یہ کس نے اس کو بتایا؟ یہ رُوح نے بتایا۔ تو رُوح جو ہے یہ "سیر فی الفلک" آسمان کی سیر کراتی ہے، رُوح جو ہے یہ فضاؤں کی سیر کرانے والی ہے، رُوح آنے والے دور کی خبر لانے والی ہے اور رُوح جو ہے یہ آئینۂ حق نما ہے۔ رُوح کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے اور اس کا مستقبل کے ساتھ بھی تعلق ہے۔ کچھ لوگ رُوح کو دریافت نہیں کر سکتے اور اگر رُوح کی دریافت ہو جائے یا اس کی صفائی ہو جائے تو اسے صفائیِ قلب کہتے ہیں۔ صفائیِ قلب والے انسان کو سمجھ آجاتی ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ رُوح کی Development نہیں

ہے بلکہ Discovery ہے یعنی رُوح پہچان کراتی ہے اور وجُود کی Development ہے، نشو و نما ہے۔ بچے کے لیئے یہ عین ممکن ہے کہ اس کی رُوح اتنی ہی مکمّل ہو۔ بلکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ساری ارواح کی عمر ایک ہے کیونکہ ساری رُوحیں ایک ہی دن میں تخلیق کی گئی تھیں۔ دراصل رُوح ایک کنارے کا سمندر ہے۔ اس کو ایک کنارے کا سمندر اس لیئے کہتے ہیں کہ اس کا پیدا ہونے والا کنارہ ہے لیکن اس کی موت والا کنارہ نہیں ہے جو انسان ہے، اس کا وجود پیدا ہونے والا بھی ہے اور مرنے والا بھی ہے مگر رُوح ایک کنارے کا سمندر ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ اللہ اور رُوح میں یہ فرق ہے اور اس کو یاد رکھنا کہ رُوح جو ہے یہ تخلیق تو ہوئی ہے، پیدا تو ہوئی ہے، لیکن اس کو موت نہیں ہے۔ یہ امرِالٰہی ہے اور اللہ جو ہے وہ تخلیق سے آزاد ہے، پیدا ہونے سے آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ تو الآن کما کان یعنی جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہے۔ اس لیئے رُوح کی Discovery بڑی آسان ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وجود اور رُوح کا آپس میں تعلّق ہے۔ وجود کو آہستہ آہستہ ارتقاء ملتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ زوال ملتا ہے مگر رُوح کو ایسا نہیں ہے۔ بچے کی رُوح جو ہے یہ روشن ہو سکتی ہے اور بوڑھے انسان کی رُوح ضائع شدہ ہو سکتی ہے اور خراب ہو سکتی ہے۔ رُوح کو کچھ لوگ گھوڑا کہتے ہیں کہ یہ آپ کو اڑاتا ہے، سیر کراتا ہے اور رُوح کمزور ہوگئی تو پھر ہر شے کمزور ہو گئی ہے۔ رُوح کمزور کب ہوتی ہے؟ جب آپ میں اطاعتِ الٰہی سے انحراف پیدا ہوا، وہاں رُوح کمزور ہو جاتی ہے۔ نفسانی خواہشات کے تحفّظ سے رُوح خراب ہو جاتی ہے۔ لالچ

بھی رُوح کی بیماری ہے اور حقوق پورے نہ کرنا رُوح کی بیماری ہے۔ یعنی دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کرنا جو اپنے ساتھ آپ نہ چاہیں، ایسے کاموں سے رُوح بیمار ہو جاتی ہے۔ آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ رُوح جو ہے وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی، یہ دور سے آنے والی چیز ہے اور یہ دور واپس جانا چاہتی ہے اس کا نام "سیمرغ" رکھا گیا ہے اور یہ سیمرغ کوہ قاف کا رہنے والا ہے اور لامکان سے آیا ہے۔

"سیمرغ" ایک لفظ ہے اور ایک پرندے کا نام ہے۔ اصل میں اس کا مفہوم شیخ فریدالدین عطارؒ کی کتاب سے ملتا ہے۔ ایک دفعہ پرندوں کی دنیا میں ہلچل مچ گئی اور افواہ پھیل گئی کہ ان کا گرو، ان کا پیر پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے۔ اس طرح ان کو روشنی مل گئی۔ ان سے کہا گیا کہ اپنے گرو کے پاس جاؤ۔ سب پرندے جوق در جوق، ہزاروں کے حساب سے پہاڑ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں سردی، گرمی، جھگڑا، کوئی مرتے گئے، کوئی گرتے گئے، کوئی چلتے گئے اور ان کو کوئی سراغ نہ ملا۔ چلتے چلتے آخر کار کچھ پرندے کامیاب ہوگئے اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو وہاں کوئی پرندہ ہی نہیں تھا، کوئی گرو نہیں تھا۔ وہ حیران ہوئے کہ دیکھو ہمیں آواز آئی تھی، نِدا آئی تھی کہ تمہارا جو سالار ہے وہ وہاں پر ہے لیکن یہاں تو کوئی سالار نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ سالار کا نام کیا تھا؟ تو پرندوں نے کہا سالار کا نام "سیمرغ" ہے اور یہاں ہونا چاہئے لیکن وہ تو یہاں نہیں ہے۔ تو پھر ان کو وہی آواز آئی کہ تم اپنی گنتی کرو کہ تم کتنے پرندے ہو۔ انہوں نے جب گنتی کی تو کل تیس پرندے تھے۔ تو اس آواز نے کہا کہ "سیمرغ" کا معنی ہے کہ وہ تیس (۳۰) پرندے جو پرواز میں کامیاب ہو

جائیں۔ تو یہ "سیمرغ" ہوتا ہے! تو وہ رُوح جو راستے سے نجات پاتے پاتے اپنی پرواز میں کامیاب ہو جائے، وہ رُوح امر ہو جاتی ہے۔ تو گویا کہ راستے کی آزمائشوں سے نکلنا، آرائشوں سے نکلنا اور اپنی منزل کی طرف چلتے رہنا ہی کامیابی ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ کسی انسان کو منزل بنا لو، لیکن بد نیتی کو منزل نہ بنا لینا کہ منزل اصل میں آپ کا اپنا "آپ" ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو دریافت کر کے اور اس کو مکمل فارم دے کر اللہ کے سامنے پیش کر دینا ہی منزل ہے۔ تو اتنی ساری بات ہے، چھوٹی سی منزل ہے اور لمبی چوڑی کہانی کوئی نہیں ہے۔ اس زندگی میں سے آپ پریشانی نکال دیں، بے ایمانی نکال دیں، جھوٹ نکال دیں، لالچ نکال دیں، دنیا میں زیادہ رہنے کی تمنا نکال دیں، اللہ نے جو احکامات فرمائے ہیں وہ کر لیں اور جہاں اس نے کہا ہے کہ یہ کام نہ کرو آپ وہ کام نہ کریں۔ تو آپ صرف اللہ کا کہنا مان لیں۔ آپ اگر اس طرح سے سفر کریں گے تو پھر اس کے بعد چلتے چلتے آپ خود ہی سیمرغ بن جائیں گے۔ تو آپ رُوح کے مقام پر اس وقت آ سکتے ہیں جب آپ اپنے وجود کے مقام کی نفی کر لو۔ جن لوگوں نے رُوح کو دریافت کیا ہے جب ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کس طرح اپنی رُوح کو دریافت کیا ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اپنی جسمانی خواہشات کو ترک کیا۔ کچھ لوگ تو ایسے تھے جنہوں نے کئی کئی مہینے کھانا نہیں کھایا اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے کئی کئی سال گفتگو ہی نہیں کی یعنی وہ بولے ہی نہیں، ان کا نام "چپ شاہ" پڑ گیا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو عرصہ دراز پیدل چلتے رہے، کچھ اور کرتے رہے اور کچھ لوگ سارا سال درود شریف

ہی پڑھتے رہے۔ ایک آدمی کو کسی نے کہا کہ اگر آپ صرف دودھ پیتے رہیں تو آپ کو حضور پاک ﷺ کی زیارت ہو جائے گی، وہ بندہ بڑا سادہ لوح تھا، اس کو کسی نے کہا کہ اس طرح سے زیارت ہو جاتی ہے بلکہ چھ مہینے کے اندر زیارت رسول مقبول ﷺ ہو جائے گی۔ تو وہ دودھ ہی پیتا رہا اور اس کو چھ مہینے کے اندر زیارت ہو گئی۔ اور جس نے بتایا تھا اس کو جب پتہ چلا کہ اس کے کہنے پر عمل کرنے سے حضور پاک ﷺ کی زیارت ہو گئی ہے اور اسے حضور پاک ﷺ نے یہ یہ فرمایا ہے تو وہ بندہ رونے لگ گیا کہ میں نے تو آپ کو ایسے ہی کہا تھا۔ تو جو چیز بھی خلوص سے کر لی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ تو یہ رُوح کی دنیا ہے اور یہ پرواز کی دنیا ہے۔ روح کو اس طرح سمجھیں کہ ایک پرندہ آسمانوں پر اڑنے والا، اگر وہ زمین پر کوئی چیز چلتی پھرتی دیکھے یا محسوس کرے اور جھپٹا مار کر اسے لے جائے اور راستے میں دیکھے کہ یہ مُردار قسم کی کوئی چیز میں نے اٹھا لی ہے، اگر وہ اسے پھینک دے تو وہ مُردار چیز پھر واپس آ کر گر جائے گی۔ تو مُردار چیز کی پرواز ختم ہو جائے گی۔ تو رُوح اس طرح ہے کہ یہ پرواز کرتی ہوئی آئی اور آپ کے مردہ جسم کو اس نے حرکت دی، راستے میں اس نے محسوس کیا کہ یہ تو مردہ ہی ہے، اسے پھینک ہی دو، تو پھر آپ مردے کے مردے ہی رہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ھل اتی علی الا نسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔

کہ انسان پر ایسا وقت بھی آیا تھا جب اس کا ذکر تک نہیں تھا یعنی "شیئا مذکورا" کا ذکر نہیں تھا۔ جب انسان کے جسم سے رُوح نکل جاتی

ہے تو اس کو پھر میّت کہتے ہیں۔ وہی آنکھیں، وہی چہرہ، وہی سب کچھ ہوتا ہے لیکن اگر رُوح نکل گئی تو اس کا کام ہی ختم ہو گیا اور اب اس کا نام میّت ہو گیا۔ اب اس شخص کے بچے بھی اس سے خوف کھانے لگ جاتے ہیں۔ اگر انہیں کہیں کہ یہ آپ کے ڈیڈی ہیں تو وہ کہیں گے کہ یہ میّت ہے، یہ ہمارے ڈیڈی نہیں، ان کو نہلاؤ، کفن پہناؤ اور قبرستان پہنچاؤ۔ تو وہ کیا چیز ہے جو نکل گئی، وہ رُوح ہے۔ تو رُوح کا **Develop** ہونا نہیں ہے، رُوح کا دریافت ہونا ہے۔ تو رُوح کو دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف رُوح کو دریافت کرنے والے رُوح کو دریافت کرتے ہیں۔ اس کی مثال مولانا رومؒ نے دی ہے۔ ایک شیر کا بچہ گم ہو گیا اور بھیڑوں میں پلنے لگ گیا۔ وہ شیر تھا لیکن بھیڑوں میں رہ گیا اور بھیڑوں جیسی حرکتیں کرنے لگ گیا۔ ایک دن ایک بزرگ شیر نے دیکھا کہ ہے تو یہ شیر، لیکن بھیڑوں میں رہ رہا ہے۔ اس نے بچے کو پکڑا اور کہا کہ تو شیر ہے۔ بچے نے کہا کہ میں تو بھیڑ ہوں۔ شیر نے کہا تو اور ہے اور یہ لوگ اور ہیں کیونکہ تیری جنس اور ہے۔ اس بچے نے کہا مجھے کیا پتہ کہ میری جنس اور ہے اور یہ مجھے کس طرح پتہ چلے گا۔ اس بزرگ شیر نے کہا کہ میں تجھے تیری جنس دکھاتا ہوں۔ اس نے ایک بھیڑ کو جھپٹا مارا اور کھا گیا اور بچے کو کہا کہ میرا یہ عمل دیکھا ہے، اس نے کہا کہ جی دیکھا ہے۔ پھر وہ اس کو ایک تالاب پر لے گیا اور کہا کہ تالاب کے پانی میں دیکھو کہ میری شکل یہ ہے اور تیری شکل بھی میرے جیسی ہے۔ جب اس بچے نے اپنی شکل پانی کے آئینے میں دیکھی تو اسے پتہ چلا کہ وہ بھی شیر ہے۔ تو اس نے کہا کہ چل اب تو بھی بھیڑ کو پکڑ اور کھا جا! ایک بار

آئینے میں پہنچنے کی دیر ہے اور آگے کھیل رُوح کا اپنا ہے۔ بس آپ کی آئینے تک رسائی ہوتی ہے اور رُوح کو آئینے تک دریافت کرنا ہوتا ہے۔ آئینے کا وقت وہ ہوتا ہے جب آپ آئینے کے سامنے محو ہوں یعنی آپ عکس کے سامنے محو ہوں کہ پتہ نہیں ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ یہ ہوتا ہے محوِ حیرت ہونا۔ تو دنیا کو بھی آئینہ کہا گیا ہے' آپ اپنے آپ کو بھی آئینہ کہہ سکتے ہیں' محبت کو بھی آئینہ کہا گیا ہے' کیونکہ انسان محبت کے ہر مقام پر گم ہو جاتا ہے۔ محبت کرنے والا کسی چیز کے ساتھ آشنا نہیں ہوتا لیکن اسی کے ساتھ آشنا ہوتا ہے جو اس کا محبوب ہوتا ہے۔ کسی عادت میں گم ہو جانا یا کسی ایک خیال میں گم ہو جانا محوِ حیرت ہو جانا ہے۔

تیری یاد میں ہوا جب سے گم تیرے گمشدہ کا یہ حال ہے
کہ نہ دور ہے نہ قریب ہے نہ فراق ہے نہ وصال ہے

تو جب آپ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں تو پھر رُوح دریافت ہو جاتی ہے۔ رُوح ذکرِ الٰہی کے ساتھ دریافت ہوتی ہے' عبادت کے ساتھ دریافت ہوتی ہے' خیرات دینے سے رُوح دریافت ہوتی ہے' سفر میں رہنے سے بھی رُوح دریافت ہوتی ہے اور اللہ کے کسی حکم پر مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کرنے سے رُوح دریافت ہوتی ہے۔ رُوح خود ایک پوری Form ہے۔ یہ یا تو دریافت ہو گئی اور یا پھر یہ دریافت نہ ہوئی۔ رُوح کو دریافت کرنے کے لئے لوگ بڑی کوشش کرتے ہیں۔ پھر اس کے اندر سارے جلوے خود بخود آجایا کرتے ہیں۔ رُوح اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا آئینہ ہے جس

کو دریافت کرنا چاہئے۔ وجُود کی Development اور ہے۔ مرجانے کے بعد تو رُوح زندہ رہتی ہے، تو اب زندگی میں رُوح کو کیسے دریافت کریں؟ تو آپ مرنے والی چیز کو تھوڑی دیر پہلے مار کر یہ دیکھ لیں کہ مرنے کے بعد رُوح کیسے زندہ رہے گی۔ تو آپ ایک بار کوشش کرکے دیکھ لیں کہ وجود کو سلا دیا جائے۔ تو اس طرح رُوح زندہ رہتی ہے۔ اسی طرح آپ کسی خیال میں گم ہو جائیں تو رُوح زندہ رہتی ہے۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ آپ اپنے خیال میں جا رہے ہوں اور پھر آپ کا گھر آ جاتا ہے، آپ کو راستہ یاد نہیں رہتا لیکن پھر بھی آپ چلتے چلتے گھر آجاتے ہیں۔ تو آپ کے ساتھ Unconscious اور Conscious یعنی شعوری اور لاشعوری دونوں باتیں ہوں گی۔ اسی لیئے کبھی آپ اپنے وجود کی نفی کرکے دیکھیں، مرنے جیسی کیفیت پیدا کر کے دیکھیں، جسم کو خوراک نہ دیں، تو تھوڑی دیر بعد آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپ کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ پھر جو چیز زندہ رہ جائے گی وہ رُوح ہوگی۔ رُوح کا دریافت کرنا یوں آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا آئینہ، اللہ کی دی ہوئی نگاہ آپ کے کام آتی ہے تاکہ آپ دنیا کو دیکھ سکیں۔ اسی طرح اگر وہ نگاہ عطا ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھنے والی ہے تو وہ آئینہ میّسر آجاتا ہے۔ یہ سارا ایمانداری کا کھیل ہے، Pure ایمانداری کا اور یہ چالاکی کا نہیں ہے۔ وہاں سوال جواب کی بات نہیں ہے۔ صرف رُوح کو صیقل کرنے کی پالش کرنے کی بات ہے۔ پالش کی کہانی مولانا رومؒ نے بتائی تھی کہ رُومیوں اور چینیوں کے درمیان پینٹنگز کا مقابلہ ہوا، ان کو ایک ہال کی دو دیواریں دے

دی گئیں اور درمیان میں پردہ رکھ دیا گیا کہ آپ ان دونوں دیواروں کو پینٹ کرو۔ رُومیوں نے پینٹنگز بنائیں، چینیوں نے پینٹنگ نہیں بنائی بلکہ وہ دیوار کو صرف پالش کرتے رہے۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو کہتے یہ ہیں کہ کام بہت اچھا تھا۔ چینیوں نے اصل میں یہ کام کیا کہ وہ صرف دیوار کو پالش ہی کرتے رہے اور اسے آئینہ بنا دیا اور رومیوں کے رنگوں کا عکس سارے کا سارے ان کے آئینے میں آ گیا، اور عکس جو ہے وہ اصل سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ تو یہ بھی دنیا کو دیکھنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے کہ جامِ جہاں نما میں دیکھا جائے۔ تو وہ دور نہیں بلکہ تیرے آئینے کے اندر آسکتا ہے۔ تو یہ سارا جہاں آپ کا اپنا منظر ہے، رُوح دریافت ہو جائے تو دور کی بات بھی پاس کی بات ہے۔

سوال :۔

سر! کیا تزکیۂ نفس اور رُوح کی تلاش تقریباً ایک ہی چیز ہیں؟

جواب :۔

تزکیۂ نفس وجُود کی ایک کیفیّت ہے مگر رُوح اور چیز ہے۔ نفس جو ہے اسے موت ہے اور رُوح کی موت نہیں ہے۔ نفس کا ایک اپنا مقام ہے اور یہ وجُود کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور رُوح وجود کے علاوہ بھی چل جاتی ہے۔ تزکیۂ نفس کا معنیٰ یہ ہے کہ بغاوت سے بچنا اور اللہ کے امر کو خوشی کے ساتھ قبول کرنے کی صلاحیّت پیدا کرنا۔ اس کی اتنی Definition کافی ہے۔ تو تزکیۂ نفس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو خوشی کے ساتھ قبول کرنے کی صلاحیّت پیدا کرنا تاکہ وجُود میں بغاوت نہ

آئے۔ جو اللہ نے حکم دیا ہے خود بخود اس کے مطابق چل پڑنا۔ ان ھٰذہٖ تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو میں سنا رہا ہوں یہ تذکرہ ہے، بیانات ہیں اور جو چاہے میرا راستہ پکڑے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ بیانات ہیں اور آپ اس سے اللہ کا راستہ دریافت کر سکتے ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے راستے کے بھی اصلاح ہو جائے مثلاً" یہ کہ اپنے نفس کی خواہش کے علاوہ کرنا۔ اور یہ بات کافروں میں بھی ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کے لیئے جو تزکیۂ نفس ہے وہ اللہ کے حبیب پاکؐ کے راستے پر چلنا ہے۔ رُوح جو ہے یہ پرواز والی چیز ہے، یہ مقدّس ہے، یہ غیب سے آنے والی چیز ہے۔ شروع شروع میں جب یہ سمجھ نہ آئے تو ہم تزکیۂ نفس اور رُوح کو ایک ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہی مقام ہے لیکن تزکیۂ نفس جو ہے وہ اور ہے، اور رُوح جو ہے وہ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح الفاظ بیان فرمائے ہیں ان سب کے الگ الگ معانی ہیں، اللہ نے نفس کو نفس کہا ہے اور رُوح کو رُوح کہا ہے۔ اللہ نے یہ کہا ہے کہ رُوح میرا حکم ہے، اور پھر ہم نے اس میں اپنی رُوح پھونکی اور رُوح جو ہے وہ ادھر سے ہے۔ جب یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی رُوح کے بارے میں سوال کرے تو آپ کہو کہ رُوح کے بارے میں مجھے اتنا پتہ ہے کہ یہ اللہ کا امر ہے قل الروح من امر ربی رُوح میرے اللہ کا امر ہے۔ تو نفس کا تجزیہ کر لیتے ہیں کہ نفس کیا کرتا ہے۔ نفس جو ہے یہ شرارتیں کرتا ہے، نفس جو ہے یہ لالچ کرتا ہے، نفس کے سارے تزکیہ والے فارمولے رُوح کے کام آتے ہیں لیکن رُوح کے ساتھ کچھ کیفیّات اور ہیں جو نفس

کی دسترس میں نہیں ہیں، وہ یہ ہے کہ پرواز نفس میں نہیں ہے۔ آپ کا نفس رُوح کو اشارہ دے سکتا ہے کہ آپ پرواز کرلو۔ نفس رُوح کے لیئے پرابلم پیدا کر سکتا ہے۔ جب نفس رُوح کو چھوڑ دے تو پھر رُوح کی پرواز بلند ہو جائے گی۔ نفس پرواز تو نہیں کرے گا لیکن پرواز میں رخنہ اندازی کرے گا، اس لیئے تزکیۂ نفس کرتے ہیں تا کہ رُوح کی صحیح دریافت ہو جائے۔ تو نفس اور رُوح میں یہ فرق ہے۔

سوال :۔

کیا ایسا ہے کہ رُوح کی دریافت کے سلسلے میں انسان کچھ جلد باز بھی واقع ہوا ہے؟

جواب :۔

نہیں جلد باز واقع نہیں ہوا ہے بلکہ یہ سستی کر رہا ہے اور اسے زندگی میں جلد ہی رُوح کو دریافت کر لینا چاہیئے۔ اس دریافت کے معاملے میں سستی نہیں ہونی چاہیئے، انسان اس میں جلد باز نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اصل ہے اور اصل دریافت ہونا چاہیئے۔ آپ یہ دیکھو کہ یہ بات بڑی دقت والی ہے کہ محنت کرنا انسان کی فطرت ہے اور وہ محنت کرے گا اللہ کا فرمان ہے کہ یا ایھاالانسان انک کادح یعنی اے انسان تیرا کام محنت کرنا ہے اور خالق نے بتا دیا ہے کہ تو محنت کرے گا اور کچھ نہیں کرے گا۔ فرصت حاصل کرنے کے لیئے محنت کرے گا اور آرام کرنے کے لیئے بھی کام کرے گا۔ تو گویا کہ انسان محنت کرے گا اور کام کرے گا۔ ہمارے دین کا سارا مضمون یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محنت کرتے

کرتے یہ زندگی محنت میں گزر جائے اور آخرت بھی خراب ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ کہنا پڑ جائے کہ بڑی مشکل اور محنت سے آپ دوزخ میں پہنچے ہیں۔ تو اس لیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اگر محنت کریں تو اللہ کے راستے کی طرف محنت کریں۔ اگر آپ کو پتہ نہ ہو کہ اللہ کا راستہ کیا ہے تو اتنی بات آپ سمجھ لیں کہ اگر آپ مصروف ہیں، لگن میں ہیں، محنت میں ہیں، خیال میں ہیں، تو اپنی محنت کا حاصل جو ہے اس کو اللہ کے راستے پر لگائیں تاکہ آپ کی محنتیں جو ہیں وہ رائیگاں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے تشبیہ دی ہے کہ اس بڑھیا پر افسوس ہے کہ جس نے سُوت کاتا اور آخر میں اس کو الجھا دیا۔ یعنی کہ عمر ساری ایک ایک تار لگا کر سُوت کاتا اور بعد میں اس کو الجھا دیا، تو اس طرح سُوت الجھ کر ساری اس کی کمائی اکارت ہو گئی۔ تو اللہ نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری کمائیاں اکارت جائیں۔ اس لیئے زندگی میں غور و فکر کرتے رہنا چاہیئے کہ ہماری کمائیاں، ہمارا حاصل، ہماری محنتیں اور ہماری تمام زندگی جو ہے یہ رائیگاں نہ ہو اور یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ اپنی زندگی میں ایسا کام ضرور کریں کہ جس کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہو اور اللہ کی رضا کے ساتھ ہو۔ حتیٰ کہ آپ کی زندگی جو ہے وہ اکارت نہ ہو اور ضائع نہ ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زندگی ایک عمل سے بچ سکتی ہے اور ایک ہی عمل سے گرفت میں آ سکتی ہے۔ مثلاً" ایک شخص کی زندگی تمام عبادت تھی، پھر اسے کیا ہوا؟ کہتا ہے کہ بس ایسی ایک بات ہوئی ہے کہ سب ضائع ہو گیا۔ شیطان نے کہنا نہیں مانا یعنی کہ سجدہ نہیں کیا تو اس کی باقی ساری عبادت اکارت گئی۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کے پاس

صرف اپنے سجدے تھے اور وہ سجدہ نہیں تھا' اس لیئے اس کی عبادت اکارت ہو گئی۔ ایک انسان جس کے پاس Pure عبادت ہو' نیکی ہو' بزرگی بھی ہو لیکن اتفاق سے اس کے ماں باپ ناراض ہو جائیں تو اب اس کی کمائی جو ہے وہ زیرو ہو گئی۔ اب یہ واقعہ اس لیئے بتایا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی دانائیوں اور عبادتوں کے چکر میں پڑے رہو کیونکہ ایک غلط عمل تمام کمائی کو اکارت کر سکتا ہے۔ اور ایک آدمی ساری عمر غلطی کرتا رہتا ہے مگر ایک آدھ ایسی خوبی پیدا ہو سکتی ہے کہ اس کی بخشش کا امکان پیدا ہو جائے۔ تو اس لیئے آپ کسی نیکی کو چھوٹا نہ سمجھو اور کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو' چھوٹے سے چھوٹا گناہ گرفت میں آسکتا ہے اور چھوٹی سی نیکی بھی آپ کو نجات دے سکتی ہے۔ اس لیئے آپ کو محنت کرنی ہے اور پھر محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے۔ جو بھی زندگی گزارنی ہے تو اس کو خدا کی راہ کا بنا کر گزار لو۔ بچوں سے محبت آپ کو ضرور ہو گی اور وہ ضرور ہوتی ہے مگر آپ یہ کہو کہ ہم ان سے اس لیئے محبت کر رہے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور جہاں اللہ کا حکم بند ہو جائے وہاں سب کچھ چھوڑ دو۔ یہ آسان سی بات ہے۔ بس اللہ کا حکم ہے تو اللہ کے حکم کے مطابق کام کرو اور جہاں اللہ کے حکم کی Voilation ہو جائے' جہاں حکم عدولی ہو جائے' وہاں اس کام کو ترک کر دو۔ اگر آپ نے ایک کام اللہ کی رضا کے لیئے شروع کر دیا ہے تو جب آپ یہ دیکھو کہ اس میں سے اللہ کی رضا کا پہلو نکل گیا ہے تو آپ وہ کام بند کر دیں۔ تو گویا کہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا میں ڈھالنے کے لیئے تھوڑی سی دماغ کی Application چاہیئے ورنہ یہ ویسے ہی رہے گا۔ میں آپ کو یہ

بتا رہا ہوں کہ کافر جہان اور مومن جہان میں فرق بہت تھوڑا ہے۔ کافر سڑک بنائے گا تب بھی اس پر کار چلے گی اور اگر مومن بنائے گا تب بھی اس پر کار چلے گی اور دونوں طرف کار ایک ہو گی۔ کافر بھی مکان ویسے بنائے گا جیسے آپ بناتے ہو۔ کنسٹرکشن میٹیریل اور بلڈنگ سب برابر ہے، اسی طرح میڈیسن برابر ہے۔ کافر اور مومن میں فرق صرف نیّت اور عبادات کا ہے۔ آپ کی عبادت کا ایک طریقہ ہے، آپ کی نیت یہ ہے کہ آپ اللہ کو خالق سمجھتے ہو، مالک سمجھتے ہو اور اللہ کے حبیب پاکؐ کو آپ اس طرح مانتے ہو کہ اللہ کے بعد انؐ کا ہر حکم اللہ ہی کا حکم ہے اور آپ انؐ کو اللہ کے ساتھ ہی مانتے ہو۔ اور کافرانہ زندگی جو ہے وہ اور ہے۔ اس زندگی کی فراوانی کافر کے پاس ہے اور زندگی پورے فارمولے کے ساتھ ان کے پاس ہے۔ کافروں نے سائنس آپ سے لی، اب آپ کافروں سے سائنس لیتے ہو یعنی طب، فزکس، میتھ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سخر الشمس و القمر کہ تم چاند ستارے سارے فتح کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے کہا اور یہ سب فتح ہو رہے ہیں اور اللہ کا حکم پورا ہو رہا ہے۔ یہ سب تو انسانوں کے لئے ہے اور مومن اس سارے واقعہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میرا ایمان کہتا ہے کہ اللہ کا حکم پورا ہو رہا ہے اور اللہ تمام انسانوں کے لئے حکم دے رہا ہے اور تمام جہانوں کو اللہ نے کہا کہ میں نے تمام جہانوں کے لئے حضور پاکؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس لئے آپ یہ دیکھیں کہ کہیں آپ کی محنت ضائع نہ ہو جائے، کہیں آپ کی ساری کمائی ضائع نہ ہو جائے۔ آپ محنت سے ضرور گزریں گے مگر محنت انا کے لئے نہ کریں اور اپنی تسکین

کی خاطر نہ کریں بلکہ محنت اللہ کے لیئے کریں۔ کل سے جب آپ دفتر جائیں گے تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ میں دفتر جا رہا ہوں، اللہ کا حکم ہے کہ بچوں کے لیئے رزق لاؤ، تو اس لیئے میں دفتر جا رہا ہوں۔ آپ دفتر میں نمائش کی غرض سے نہ جایا کریں آپ اس لیئے دفتر جائیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ رزق کما کر بچوں کو بھی دو، آپ بھی کھا لو اور کچھ اللہ کی راہ میں لگا دو۔ بس یہی زندگی عبادت بن جائے گی اور اگر ایسا نہ کریں تو یہی زندگی گمراہ ہو جائے گی۔ صرف اس زندگی کا ریفرنس بدلنا ہے کہ فرائض کیا ہیں اور اس کے بعد آپ کی خواہشات کیا ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مشکل سے گزار رہا ہے تو اگر آپ صبر سے گزر جائیں تو یہ بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ دے رہا ہے تو اگر اس کو نیکی کے راستے پر لگا دیں تو یہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنے دل پر رائج کرنا چاہیئے۔ اس طرح زندگی کا لطف آئے گا۔ یہ چار دن کی زندگی ہے اور پھر جانا تو سب نے ضرور ہی ہے، کسی صورت جانے سے آپ بچ نہیں سکتے بلکہ کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ یہاں سے چلے جانے سے پہلے اسی زندگی کو آگے پیچھے کرکے آپ نے عبادت بنا لینا ہے کیونکہ آپ کے پاس یہی شب و روز ہیں۔ ساٹھ سال کافر کو بھی ملتے ہیں اور آپ کو بھی ملتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی کافر کو نگاہ کمزور ملے گی، شاید اس کو نگاہ تیز ملے، دماغ اس کا بھی ہو گا، چلتا پھرتا وہ بھی ہو گا، کھاتا پیتا وہ بھی ہو گا، روتا، چیختا، چلاتا وہ بھی ہے، اس کے بھی بچے پڑھتے ہیں، اس کے بھی بچے یتیم ہوتے ہیں اور وہ بھی روتا ہے۔ تو یہاں تک تو زندگی برابر ہے۔ آگے فرق عقیدے کی بات کا ہے۔ آپ غور سے دیکھو کہ عقیدے میں

فرق کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبرؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور پاکؐ کی اُمّت سے ہیں اور ہم اس قرآن پاک کو آخری کتاب مانتے ہیں اور ہم اپنی زندگی کو باغی ہونے سے بچائیں۔ کتنی آسان سی بات ہے کہ اسی زندگی کو آپ عبادت بنا لیں۔ وہی زندگی بغاوت ہے اور وہی زندگی اطاعت ہے۔ بس اس کا تھوڑا سا خیال کرنا ہے۔ بعض اوقات ایک نامعلوم نیکی ایک بہت بڑا نتیجہ دیتی ہے۔ ایسے ہی اگر اتّفاق سے ایک نیکی کا بیج گر گیا تو آپ کچھ عرصہ کے بعد دیکھیں گے کہ نیکی کا ایک بڑا درخت بنا ہوگا۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ یہ جو پیپل اور بڑ کے درخت ہیں ان کے بیج بڑے باریک ہوتے ہیں بلکہ بظاہر ہوتے ہی نہیں ہیں۔ لیکن آپ یہ کمال دیکھو کہ اتنا بڑا درخت اگ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کبھی کبھی چھوٹی نیکی بھی بڑے نتیجے لائے گی۔ آپ کم از کم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے خیال میں تو رہو اور اللہ کے حوالے سے چلو۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا اور بہت مہربانی ہو جائے گی۔

سوال :۔

خیال کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے اور اس کے لیئے ہم کیا محنت کریں؟

جواب :۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہر بار اللہ سے یہ دعا مانگنا کہ یا اللہ سیدھی راہ دکھا، اس کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ایک بار کہنا ہی کافی ہے۔ یہ جو انسان

ہے اس کو چاہیئے کہ یہ بار بار اللہ سے مدد مانگے اور اللہ سے بار بار شیطان کی پناہ مانگے کیونکہ انسان کی سوچ جو ہے یہ فائنل فیصلہ نہیں ہونے دیتی کیونکہ یہ نفس ہے اور نفس کبھی فائنل فیصلہ نہیں ہونے دے گا۔ نفس ایسی چیز ہے کہ یہ آخری دم تک بڑے بڑے عبادت گزاروں کو ڈس لیتا ہے۔ تو اپنے خیال کی اصلاح کو مکمل کرنے کے لیئے کوئی نہ کوئی فارمولا ضرور استعمال کرنا چاہیئے مثلاً" آپ ایک کام کرلیں کہ ہمیشہ باوضو رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ سوچ ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کوئی تسبیح، نمائش کی ہی سمجھ لو، چلو ریاکاری ہی سہی، اگر آپ تسبیح اپنے ہاتھ میں رکھ لیں چاہے وہ ریاکاری کی ہو تو بھی سوچ میں فرق پڑ جائے گا۔ یا آپ گلے میں مالا ڈال لیں یا کوئی بھی چیز اپنے ہاتھ میں نشانی کے طور پر رکھ لیں، آپ کا خیال ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کوئی ایک لفظ وظیفہ کے طور پر پڑھنا شروع کر دیں تو خیال کی اصلاح ہو جائے گی۔ بس انگلی کے اشارے سے خیال ٹھیک ہو جائے گا اور اس طرح آپ اپنے ایک راستے پر چلتے جائیں گے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ آپ سوتے وقت دعا کرو کہ یا رب العالمین میرے خیال کی اصلاح فرما۔ عمل کی اصلاح سے پہلے خیال کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ خیال صحیح نہ ہو تو بظاہر عمل صحیح ہو جاتا ہے لیکن صحیح نہیں ہوتا۔ بے شمار لوگ جو ہیں وہ صحیح عمل کر رہے ہیں، بے شمار لوگ عبادت کر رہے ہیں لیکن جہاں کوئی موقعہ قینچی چلانے کا آئے گا وہاں قینچی چلا جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک خیال کی اصلاح نہ ہو، تو عمل صحیح نہیں ہو سکتا۔ تو اصل بات نیّت کی ہے۔ آپ یہ کہا کریں کہ یا اللہ میں ظاہر باطن سے تیری عبادت کرتا ہوں۔ ظاہر کی

عبادت یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے ہو اور باطن کی عبادت یہ ہے کہ آپ کی نیّت کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ تو خیال کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ آپ کسی اصلاح شدہ یا اصلاح پسند شخصیّت سے تعلّق ضرور رکھیں تو وہ آپ کو ہر قدم پہ یاد کرا دے گا کہ کیا کرنا ہے۔ آپ اپنے بچوں کے مستقبل کو سامنے رکھیں تاکہ جاتے ہوئے آپ ان کو ایک اصلاح یافتہ اور اچھا باپ دے جائیں اور جاتے ہوئے اپنے بچوں کے لیے نیکی کا کوئی کام کر جائیں۔ تو آپ اپنے بچوں کے لیئے خیال کی کوئی نیکی کر جائیں۔ اس لیئے آپ اپنے خیال کی اصلاح ضرور کریں۔ پھر خیال جو ہے وہ صاف ہو کر آپ کے ساتھ ساتھ چلتا جائے گا۔ آپ باآواز بلند تلاوت کلامِ پاک کیا کرو تو خیال صاف ہو جائے گا۔ اگر تلاوت کر نہیں سکتے ہو تو تلاوت سنا کرو، خیال ٹھیک ہو جائے گا۔ قرآن پاک کا سننا بھی ایک بہت بڑی بامعنیٰ بات ہے اور فرض ہے۔ آپ کو کیسٹ ملتا ہے تو آپ کیسٹ ہی سے قرآن پاک سن لیں۔ نیک مقامات کو دیکھا کرو۔ آپ کو اگر کچھ بھی پتہ نہیں تو پھر آپ مزارات پر جایا کرو۔ نیک مقام کو صرف دیکھنا، نیکی کی ابتداء ہے۔ نیک مقامات وہ ہوتے ہیں جہاں نیک لوگوں کی یاد وابستہ ہو اور یہ کہیں کہ ایک نیک آدمی ہوتا تھا اور اس جگہ بیٹھتا تھا۔ اللہ کرے کہ آپ کو اپنے والدین سے محبت ہو۔ تو آپ وہ پرانی کرسی سنبھال کر رکھیں کہ وہ اس کرسی پہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس طرح کی کرسی کے ذریعے ہی بے شمار لوگوں نے کتابیں لکھ دیں۔ پھر لوگوں نے لکھا کہ یہ وہ کرسی ہے جہاں ہماری ماں بیٹھتی تھی، آج بھی وہ اس کرسی پر مجھے بیٹھی ہوئی نظر آ رہی ہے، میں چھوٹا بچہ ہوا کرتا تھا، ہم صبح سویرے پڑھتے

تھے اور وہ ہمیں پڑھایا کرتی تھیں، آج بھی وہ چہرہ وہی ہے اور ہم وہی ہیں۔ اس طرح صرف اس Old چہرے پر لوگوں نے مضمون نگاری کر دی۔ تو کسی مقام کو مقدس سمجھنے والے ان مقامات سے راز دریافت کر لیتے ہیں۔ تو وہ کرسی بھی مقدس بن جاتی ہے جس پر بیٹھ کر مقدس خیال آجائے۔ حالانکہ فوٹو منع ہے لیکن نیک مقامات کے فوٹو جو ہیں وہ ٹھیک ہیں کیونکہ اس سے نیکی کا تصوّر ملتا ہے۔ آج کل ویسے ہی ٹی وی نے بہت پریشر ڈالا ہوا ہے، اس میں غلط مقامات کی تصویریں ہیں اور غلط انداز کی تصویریں ہیں۔ اس لیے کوئی نیک فنکشن ہونا چاہئے، اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ تو آج کل کے زمانے میں یہ مقامات جائز ہو گئے ہیں ورنہ خیال بالکل پیچھے رہ جائے گا۔ اب کیونکہ آواز بھی آرہی ہے اور ساتھ ہی شکل آ رہی ہے، اس لئے آج کا انسان گھبرا گیا ہے کہ اس کو آواز بھی غلط ملتی ہے اور نظارہ بھی غلط ملتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو آواز بھی صحیح آنی چاہئے اور نظارہ بھی صحیح ملنا چاہئے۔ اس لئے آپ اس انداز سے سفر کریں۔ یا تو غلط آوازیں بند ہوں، وہ تو ہونی نہیں ہیں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کوئی انتظام کرے تو یہ نظام ٹھیک ہو جائے گا۔ بہرحال آپ اپنے خیال کی اصلاح کریں کیونکہ خیال کی اصلاح بہت ضروری ہے، آپ خیال کو یوں سمجھیں کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے جیسے جہاز کا بلیک بکس ہوتا ہے اور اس کے اندر آپ سارا کچھ خیال کی صورت میں لکھتے جا رہے ہیں، نیک سوچ بھی اسی کے اندر ہے، نیک خیال بھی اس کے اندر ہے اور نیک دعائیں بھی اسی کے اندر ہیں۔ اور پھر جب آپ یک لخت Crash ہو جائیں گے تو وہ ڈبہ، وہ بلیک باکس باہر

نکل آئے گا اور پھر پتہ چلے گا کہ اس میں کیا کیا تھا۔ خدا نخواستہ اس میں سے کوئی بچھو سانپ نہ نکلیں۔ کم از کم یہ تو ضرور ہو کہ بندہ کمزور تھا لیکن اس کا خیال بڑا خوبصورت تھا اور پھر آپ کے پاس اس کے اندر سے گواہی آئے گی۔ تو اصل اعمال نامہ آپ کا خیال ہی ہے اور یہ اندر Micro Wave System میں' ریکارڈ میں محفوظ ہو جائے گا' اور یہ سارا کچھ محفوظ ہوتا جارہا ہے۔ پھر صرف خیال کی بات رہ جائے گی اور آپ رخصت ہو جائیں گے۔ تب آپ خود سب کچھ سنتے جائیں گے اور آپ کو آپ کا اعمال نامہ دکھایا جائے گا' آپ نے اپنے اعمال کا نظارہ کرنا ہے' اس کا نظارہ آپ نے تب کرنا ہے جب آپ کے ساتھ آپ کے ماں باپ بھی تشریف فرما ہوں گے۔ تو کیا آپ اپنی زندگی کا مکمل زائچہ' مکمل Reprint اپنے والدین کے ساتھ دیکھنا پسند کریں گے؟ مگر ماں باپ کے ساتھ آپ یہ نہیں دیکھ سکتے' استادوں کے سامنے بھی نہیں دیکھ سکتے اور کسی بزرگ کے سامنے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ یہ کس طرح دیکھنا پسند کریں گے۔ تو پھر ابھی توبہ باقی ہے! آپ توبہ کرو کہ آپ کے پچھلے ریکارڈ بند ہو جائیں۔ اب آپ اپنے اعمال پھر سے شروع کریں اور آپ یہ بات یاد رکھنا کہ تنہائی کا خیال بھی محفل میں پیش ہو جاتا ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ جو کام انسان تخلیے میں کرتا ہے اس کام کا اظہار بھی برملا چھت کے اوپر ہوگا یعنی لوگوں کے ہجوم میں اس کا اظہار ہوگا۔ تو پھر وہاں تخلیہ کوئی نہیں ہوگا۔ عبرت کے وقت تخلیہ کوئی نہیں ہوتا۔ قیامت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ تخلیے ختم ہو جائیں گے اور پھر تخلیوں کی باتیں محفلوں میں ہوں گی۔ اب وقت ہے کہ اپنے تخلیوں کی خرافات کو

توبہ کے ذریعے فارغ کر دیا جائے، ان خرافات کو مکمل طور پر فارغ کر دیا جائے اور ان سے مکمل طور پر نجات پائی جائے۔ لہٰذا آپ اپنے ماضی سے توبہ کر کے ایک منٹ میں باہر آ جائیں تاکہ پھر آپ پر کوئی الزام نہ لگ سکے۔ ماضی سارا Expose ہوتا ہے اور وہ سارے کا سارا بیان ہوتا ہے بلکہ دوبارہ Relay ہوتا ہے، قیامت کے وقت "نشر ہوتا ہے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ آپ کو ندامت ہو اور لوگوں کے جو پیسے کھائے ہیں، اس وقت اس کی فلم دکھا دی جائے گی اور وہ شخص بھی ساتھ ہو گا جس کے پیسے آپ نے کھائے ہوں گے، جس کا حق آپ نے کھایا ہو گا۔ اس سے پہلے کہ وہ واقعہ آجائے آپ توبہ کر لیں، حق دے دیں اور یتیم کا مال واپس کر دیں۔ اس سے پہلے کہ ایسا واقعہ ہو جائے آپ توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحٰی لھا یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیرو اعمالھم تو وہ دن آئے گا جب انسان اپنے اعمال دیکھے گا، خبریں چھپ جائیں گی اور زمین کے اندر جو خفیہ راز ہیں وہ باہر آجائیں گے۔ جو خفیہ ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور انسان اپنے اعمال دیکھ دیکھ کر حیران ہو جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت Unawarely آ جائے، اچانک آ جائے۔ لہٰذا آپ اس وقت کے لیئے اہتمام کریں اور اس وقت کا انتظار کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ اب وہاں انسان تو بول نہیں سکے گا کیونکہ اس کی زبان بند ہو گی۔ اب وہاں ہاتھ خود بخود بولے گا کہ غلطی یہاں سے ہوئی ہے کہ یہ کام یوں کیا تھا اور پاؤں بتائیں گے کہ ہم وہاں چل کر گئے۔ تو پھر سارے واقعات بیان ہوں گے اور آدمی حیران و ششدر رہ جائے گا

کہ یہ میرے اعضاء اور میرے جوارح باغی ہو گئے ہیں۔ آپ اپنے ان ہاتھوں کو ایسے ہی نہ سمجھیں کہ یہ ہاتھ ہیں بلکہ یہ سارے آپ کے خلاف Witness for Prosecution ہیں، استغاثہ کے گواہ ہیں۔ تو یہ سارے کا سارا جسم Witness ہے اور یہ سارے کا سارا Prosecution ہے۔ اس کا ڈیفنس صرف استغفار ہے، وکیلِ صفائی استغفار ہے۔ وہاں استغفار والا کہے گا کہ ہم تو پہلے معافی مانگ کر آئے ہیں۔ اسی طرح سارے کے سارے دوست آپ کے خلاف بولیں گے، گھر کے نوکر تک آپ کے خلاف بولیں گے۔ خیال رکھیں کہ آپ کا سارے کا سارا عمل غلط نہ ہو جائے۔ آپ دوستوں کو دھوکا دیتے ہیں، ناواقف کو تو آپ دھوکا دے نہیں سکتے کیونکہ ناواقف آپ کے داؤ میں نہیں آسکتا۔ اس لیے جو کچھ کیا، رشتے داروں کے ساتھ کیا، دوستوں کے ساتھ کیا، دشمنوں کے ساتھ کیا، خفیہ مال کے ساتھ کیا، تنہائی کے ساتھ کیا، محفل کے اندر کیا، خیال کے اندر کیا، اعمال کے اندر کیا اور ماضی کے اندر کیا۔ وہ سارے واقعات اور پروگرام Relay ہوں گے، نشر ہوں گے، آپ ان کو ضائع کرا دیں اور یہ ممکن ہے، معافی کے ساتھ اور استغفار کے ساتھ۔ اس طرح وہ دریا بُرد ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر ستر سال کا کافر کلمہ پڑھ کر مؤمن ہو سکتا ہے تو ہم توبہ کر کے دوبارہ اسلام میں اور ایمان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یا اللہ تو ہی ہم پر اپنا فضل فرما دے کہ ہمارے اعمال جو ہیں وہ اظہار میں نہ آئیں، ہمارے اعمال کے نتیجے جو ہیں وہ اظہار میں نہ آئیں اور یا رب العالمین ہماری عبرت مخفی رہنے دے اور یارب العالمین ہمیں اس رسوائی سے بچا!۔

یوں تو رحمت ہے تیری تیرے غضب پر حاوی
پھر بھی محشر میں میرا رکھنا خدایا پردہ

خدایا! وہاں تیری رحمت زیادہ ہے' وہاں میرا پردہ رکھنا! پردہ رکھنے کی ابتدا استغفار سے ہے اور یہ ساری بات استغفار سے ڈھل جائے گی۔ جو چیز آپ کو یاد ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے بھولے گی۔ آپ خود سوچیں کہ آپ کو اپنی زندگی یاد ہے' اپنے اعمال یاد ہیں تو اللہ کیسے بھول جائے گا۔ وہ تو Memory پیدا کرتا ہے' یادداشت کا خالق ہے تو آپ سب سے پہلے معافی مانگ کر اپنے گناہ خود بھول جائیں۔ اس دن توبہ منظور ہو جاتی ہے جب انسان اپنے گناہ خود بھول جائے' یہ توبہ کی ابتداء ہے اور آپ توبہ کرتے جائیں حتیٰ کہ آپ کو گناہ اور گناہ گار زندگی بھول جائے' آپ توبہ کرتے جائیں حتیٰ کہ آپ کو اپنا آپ بھی بھول جائے یعنی کل کا ماضی ختم ہو جائے گا اور آپ نئے سرے سے Generate ہو جائیں گے' پیدا ہو جائیں گے۔ اسے "قُقْنَس" کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے Phoenix کہتے ہیں۔ وہ جب مرتا ہے تو اس کی راکھ سے اور پرندہ پیدا ہوتا ہے' اس کے بارے میں کہتے یہ ہیں کہ وہ دیپک راگ گا کر مر جاتا ہے' جل جاتا ہے' اپنے آشیانے کے اندر ہی مر جاتا ہے اور پھر اسی میں سے ہی ایک نیا پرندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بس آپ کا راگ استغفار ہے' آپ استغفار کریں اور اپنے شعلوں میں سے ہی اپنا آپ دریافت کر لیں' نئے سرے سے پیدا ہو جائیں' اور نئے سرے سے Recreate ہو جائیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا۔ اس لیے آپ استغفار کو بہت اہمیت دیا کریں۔ آپ اپنے آپ کو قائم رکھیں' زندہ رکھیں اور ماضی

سے نکل آئیں۔ فقیر لوگ کہتے ہیں کہ عبادت سے بھی توبہ، یعنی اس عبادت سے جس میں ریا کاری ہے۔ کچھ لوگ ریاکاری کی عبادت کرتے ہیں، کچھ ضرورت کی عبادت میں مصروف ہیں اور کچھ اور واقعات کی وجہ سے عبادت کرتے رہتے ہیں۔ بہرحال اللہ نے عبادت کی جو توفیق عطا کی ہے اس کا شکریہ۔ انّ ھٰذا کان لکم جزآء وکان سعیکم مشکورا" آپ کی محنت جو ہے یہ آپ کے لیئے شکر لائے گی کیونکہ آپ نے محنت کی ہے اور اچھی محنت کی ہے۔ لہٰذا اچھی محنت جو ہے وہ قابلِ شکر ہے اور آپ میری یہ بات یاد رکھنا کہ آپ کی جو محنتیں ہیں وہ بُری نہیں ہونی چاہئیں! اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ یا ایھا الانسان انک کادح اے انسان تو محنت کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ جواری بھی محنت کرتا ہے اور عابد بھی محنت کرتا ہے، رات کو چور بھی محنت کرتا ہے اور سپاہی بھی محنت کرتا ہے اور شب بیدار بھی محنت کرتا ہے۔ محنت سب لوگ کر رہے ہیں لیکن محنتوں کے رُخ سب کے الگ الگ ہیں۔ آپ اپنی محنتوں کے رُخ متعین کرلو کہ جو آپ محنت کر رہے ہیں اس کا رُخ کیا ہے اور جو محنت کر رہے ہیں کس لیئے کر رہے ہیں؟ کیوں کر رہے ہیں؟ کہیں فضول محنت تو نہیں کر رہے؟ یہ نہ ہو کہ آپ مال کی محنت کریں، پھر مال آ جائے گا اور پھر آپ ختم ہو جائیں گے۔ آپ محنت کا رُخ قائم کریں کہ آپ محنت کیوں کر رہے ہیں اور محنت کا مفہوم کیا ہے؟ کون سا ٹارگٹ ہے جو آپ نے حاصل کرنا ہے؟ اگر آپ نے ضرورتوں کے چیلنج کو فائٹ کرنا ہے تو پھر ایک ضرورت کے بعد نئی ضرورت آ جائے گی اور پھر ضرورتوں سے لڑنے کا نیا میدان ہو گا کہ یہ ضرورت ہے اور وہ ضرورت

ہے۔ مؤمن کے لیئے محنت کا رخ جو ہے وہ یہ ہے کہ رضائے الٰہی کی تلاش کرے اور اگر آپ نے رضائے الٰہی حاصل نہ کی تو آپ کی ساری محنت اکارت گئی کہ پہلے آپ نے پائی پائی کر کے جمع کیا اور پھر ساری پوٹلی خالی نکلی۔ تو ایسا نہ ہو کہ ایک ایک پیسہ کر کے جمع کیا اور رات کو سویا ہوا ہی لُٹ گیا کیونکہ چور مال ہی لے گیا۔ اس لیئے آپ اس بات سے بچو اور بہت خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے۔ انسان کو اپنی محنتوں پر دھیان رکھنا چاہیئے۔ اس لیئے آپ اپنی محنتوں کے رُخ کو تعیّن میں لاؤ۔ ہاں اور بات کرو ----- آپ بولو ------

سوال :۔

انسان محنت کرتا ہے اور وظیفے کرتا ہے لیکن اس کے نتائج تو سامنے نہیں آتے، تو کیا وہ ضائع تو نہیں ہو جاتے؟

جواب :۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سبزیاں جلدی اگتی ہیں یعنی بیج بویا اور سبزی اگ گئی اور ہیرے جواہرات جو ہیں یہ بہت دیر سے بنتے ہیں، ان کو کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اگر نتیجہ فوری ظاہر نہ ہو تو اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا۔ ظاہر ہونے والے نتیجے کمزور چیزوں کے ہوتے ہیں کیونکہ انسان کی نگاہ محدُود ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ درخت کے پتے جو ہیں وہ نتیجہ ہیں، مگر جو اس درخت کی جڑیں ہیں اس کو وہ بُھول جاتا ہے۔ تو نتیجہ جڑیں بھی تو ہیں اور وہ اس درخت

کو زمین کے اندر مزید گہرا کر رہی ہیں مگر جڑیں نظر نہیں آتی ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ پھول کیوں نہیں نکلے، کہیں میری محنت ضائع تو نہیں ہو گئی مگر آپ کی محنت ضائع نہیں ہو رہی بلکہ جڑیں پکی ہوتی جا رہی ہیں۔ لہٰذا اگر نتیجہ نظر نہ آئے تو آپ یہ دیکھیں کہ آپ کام کیا کر رہے ہیں؟ تو جو آپ عمل کر رہے ہیں، وظیفہ کر رہے ہیں تو یہ جو نیکی کا عمل ہو رہا ہے اس کا نتیجہ ضائع نہیں ہو سکتا اور یہ آپ کی نسل در نسل کام آئے گا۔ آپ خود اپنے بزرگوں کی دُعا کے سہارے قائم ہیں۔ بعض اوقات آج کا وظیفہ آپ کی اپنی قبر کے اندر چراغ بن جائے گا۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کیا ہے؟ اس وقت یاد آئے گا کہ یہ روشنی کہاں سے آئی ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ جو درود شریف آپ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے اثر ہے، اب یہ اس درود شریف کی تاثیر ہے۔ اس لئے نیکی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک رائی کے دانے کے برابر تمہاری نیکی ضائع نہیں کرتا ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ یعنی نہ ہم بدی ضائع کرتے ہیں اور نہ ہم نیکی ضائع کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی بدی کو استغفار پڑھ کر ضائع کر دیں اور نیکی کو نتیجے سے آزاد کر دیں، نتیجہ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر اللہ نے آپ کو نیکی کی توفیق دی ہے تو آپ کو اور نتیجہ کیا چاہئے! بس یہی نتیجہ بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے کی جو توفیق دی ہے اور اجازت دی ہے تو یہی نتیجہ بڑا ہے۔ اس لئے آپ وظیفوں کے اندر جلدی نہ کیا کرو۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ بڑے غور والی بات ہے، یہ بڑی ضروری اور یاد رکھنے والی بات ہے

کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نیکی کا نتیجہ جلدی نکل آئے، آپ انہیں کہیں کہ اگر نتیجہ جلدی نکلنے کا فارمولا آگیا تو اگر نیکی کا نتیجہ فوری نکل گیا تو بدی کا نتیجہ بھی فوری مل جائے گا یعنی فوری سزا میں بدی کا بدلہ ملے گا۔ اس لئے آپ برقرار نہیں رہ سکیں گے۔ تو اگر آپ نیکی کا نتیجہ فورا" چاہتے ہو تو پھر آپ کی بدی کی بھی فورا" سزا ملے گی۔ اس کام کے لئے اللہ نے ایک الگ دن رکھ دیا ہے کہ اس دن آپ نیکی کا نتیجہ دیکھ لیں گے اور بدی کا نتیجہ بھی دیکھ لیں گے۔ ذٰلک الیوم الحق فمن شاء اتخذ الٰی ربہ مآبا تو وہ حق کا دن ہے جب سب اپنے رب کی پناہ چاہیں گے یعنی وہ دن ایک اور ہے اور حق ہے۔ وہ دن آئے گا تو پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی۔ اس لیے نیکی کا نتیجہ فورا" نہ مانگا کرو تاکہ کہیں بدی کی فورا" سزا نہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ بدی کے لئے استغفار کریں، نیکی کے بارے میں جان لیں کہ کبھی ضائع نہیں ہوتی اور قائم رہتی ہے۔ اگر آپ مردہ لاشا" دفن کریں تو وہ بھی قائم رہتا ہے۔ اس کائنات میں کوئی بھی چیز ضائع نہیں ہوتی حتیٰ کہ کوئی راز، جیسے آپ مشاہدہ کہتے ہیں، کوئی راز ایسا نہیں ہے جو بیان نہ ہوا ہو اور کوئی باطن ایسا نہیں جو بیان نہ ہوا ہو۔ آپ یہ دیکھیں کہ اللہ اور اللہ کے محبوب پاک ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بھی بیان ہو گئی، جو بات فرشتوں کے درمیان ہوئی وہ بھی بیان ہو گئی، جو کچھ شیطان نے کہا وہ بیان ہو گیا، جو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے کہا وہ بھی بیان ہو گیا، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کائنات میں ضائع ہوئی ہو۔ کس نے کس سے کیا کہا، وہ سب ظاہر ہو گیا۔ تو سارا ماضی ظاہر ہے، سب بیانات ظاہر ہیں، سب

واقعات آپ تک آ رہے ہیں اور کیا چیز کہاں' کب' کیسے ہوئی' وہ سب آپ تک آ رہی ہے۔ تو آپ کی نیکی کیسے ضائع ہو گی۔ بعض اوقات نیکی بڑی چالاک ہوتی ہے اور وہ چھوٹی سی نیکی جا کر بڑے اخبار میں چھپ جاتی ہے۔ اگر نیکی کا قطرہ سمندر میں جا کر گم ہو جائے تو وہ تو سمندر ہی بن گیا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ گم ہو گیا حالانکہ وہ تو سمندر ہی بن گیا ہے اور وہ محفوظ ہو گیا ہے۔ تو نیکی گروہ میں شامل ہو کر محفوظ ہو جاتی ہے جس طرح پانی کا ایک قطرہ جو ہے وہ سمندر میں مل کر سمندر بن جاتا ہے اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ گھبرایا نہ کریں' آپ کی نیکی محفوظ رہے گی۔

سوال:۔

یہ یقین میں تذبذب کیا چیز ہے؟

جواب:۔

یقین جب تک فقر میں داخل نہ ہو تو تذبذب رہے گا۔ فقر کی دولت جب ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں۔ یقین کو محفوظ کرنے کے لئے شب بیداری چاہیئے۔ یقین کو محفوظ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کا مشاہدہ وسیع ہونا چاہیئے۔ آپ کبھی دو قسم کی تعلیم حاصل نہ کیا کریں بلکہ ایک تعلیم حاصل کریں۔ باقی کتابیں پڑھنی بند کر دیں یعنی مذہب کی کتابیں پڑھنی بند کر دیں' یعنی مذہبی اور اسلامی کتابیں پڑھنی بند کر دیں۔ آپ ایسی کتاب مت پڑھیں۔ آپ ایسی کتابوں کو جتنا پڑھتے جائیں گے' اتنا ہی آپ الجھ جائیں گے کیونکہ اس علم کا کام ہے وسوسہ پیدا کرنا۔

کتابوں کے ذریعے آپ یقین کی بات نہیں کریں گے بلکہ علم کی بات کریں گے اور بس! آپ ایسے علم کو چھوڑیں' اس سے باز آ جائیں۔ فرمان ہے کہ "العلم حجاب الاکبر" اور یہ علم بڑا حجاب ہے۔ میں آپ کو "الف" کی بات بتا رہا ہوں تاکہ آپ "ب" اور "ج" کی الجھن سے بچ جائیں۔ بس ایک اللہ کافی ہے! تو الجھن کس میں ہے؟ یقین میں نہیں ہے بلکہ علم میں الجھن ہے۔ اس لئے علم سے آپ بچ جائیں۔ اللہ اللہ کرتے جائیں' اس کی تسبیح کریں اور ایک راستے پر چلیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز ہاتھ آ جائے وہ آپ پڑھ لیتے ہیں اور یہی چیز الجھن کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ ہر آدمی جس کے پاس قلم آ جائے وہ لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بات الجھ جاتی ہے۔ تو اس لئے اگر آپ کو پڑھنا ہی ہے تو آپ صرف قرآن مجید پڑھیں' اس کے معنی بھی نہ پڑھیں اور تفسیر بھی نہ پڑھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ آپ کو خود آگاہ کرے گا۔ آج کے بعد آپ کی میز پر کوئی کتاب نہ ہو' آپ اللہ اللہ کریں۔ آپ لوگ سب کے لئے دعا کریں۔ پھر بات آسان ہو جائے گی اور یقین میسّر آ جائے گا اور پھر یقین کی دولت مل جاتی ہے۔

یا رب العالمین سب پر رحم فرما! یا رب العالمین ہمارے وسوسوں کو نکال اور ہمیں یقین کی دولت عطا فرما! یا رب العالمین ہمیں ماضی کے اعمال کی عبرت سے بچا اور ہماری توبہ کو قبول فرما اور ہمیں صحیح یقین دلانے والے اسلام میں داخل فرما! اپنی رحمتیں عام فرما! یا رب العالمین اپنے محبوب پاکؐ کی محبت عطا فرما! یا رب العالمین ہمیں قرآن پاک پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرما! یا رب العالمین ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا

فرما! آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

☆… ○…☆

۱ جس گناہ کی اللہ سے معافی مانگ لی جائے اس کا کیسے پتہ چلے گا کہ معافی ہو گئی ہے؟

۲ زندگی میں تو بے شمار مسائل کا سامنا ہے' پھر اللہ سے رجوع کیسے کریں؟

سوال :-

جو گناہ سرزد ہو جائے اگر اس کی اللہ سے معافی مانگ لیں تو اس بات کا یقین کس طرح ہو جائے گا کہ اس گناہ سے ہماری معافی ہو گئی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ سے انسان اپنا تعلّق کیسے قائم کرے کیونکہ یہ تو بہت مشکل بات لگتی ہے۔

جواب :-

جب گناہ کی معافی ہو جائے تو وہ گناہ یاد نہیں رہتا۔ معافی کا ثبوت ہی یہی ہے کہ جب کبھی توبہ قبول ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا' یہ پہلی بات ہے اور دُوسری بات یہ ہے کہ اس عمل کی یاد بھی نہیں رہتی ہے اور توبہ کے قبول ہونے کا یہی ثبوت ہے یعنی کہ عام طور پر وہ انسان جو توبہ نہیں کرتا' وہ ایک کئے ہوئے گناہ کو یاد کر کے خیال میں وہ گناہ جاری رکھتا ہے اور اس گناہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے کیونکہ اس نے اس گناہ سے توبہ نہیں کی ہے۔ تو یہ گناہ جاری رہتا ہے۔ خیال میں کسی بُرے وقت کو اچھے انداز سے یاد کرنا برائی کی استقامت ہے یعنی کہ کسی گناہ کو یا عہدِ گناہ کو کسی کے ساتھ یاد کرنا ایسا ہے کہ وہ گناہ جاری ہے۔ تو پھر جب انسان توبہ کرتا ہے تو توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کو گناہ برا

لگتا ہے، خاص طور پر اس گناہ کا اپنی فردِ عمل میں ہونا برا لگتا ہے کہ میرے عمل میں یہ ریکارڈ آ گیا ہے اور یہ اس کو برا لگا تو پھر وہ چاہتا یہ ہے کہ یہ مٹایا جائے۔ تو پھر وہ توبہ کرتا ہے، توبہ کرنے کے بعد پھر بھی اس کا وہ گناہ اس کو Haunt کرتا ہے، اس کے ذہن میں آتا رہتا ہے، بچھّو کی طرح ڈنگ لگاتا رہتا ہے حالانکہ وہ توبہ کر چکا ہے۔ تو آپ اس سے یہ سمجھو کہ ابھی اس کی توبہ پوری طرح منظور نہیں ہوئی ہے اور پھر وہ اِس کے ساتھ آنسوؤں کو استعمال کرتا ہے، کبھی اِس کے پاس جاتا ہے اور کبھی اُس کے پاس جاتا ہے کہ گناہ سے توبہ اور معافی ہو جائے۔ ہور پھر جہاں کہیں درمیان میں اس کو اطلاع مل جائے کہ جاؤ معاف ہو گئے تو پھر وہ یاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ اور زیادہ مہربان ہو جائے تو اس کے سیئات کو حسنات میں بدل دیتا ہے یعنی کہ اس کے جتنے گناہ ہیں سارے نیکیوں میں بدل دیے جاتے ہیں اور یہ کب ہوتا ہے؟ جب آپ اپنی زندگی کو اللہ کے نام لگا دو، اپنا پیسہ اللہ کو دے دو، اپنا حاصل اللہ کے حوالے کر دو۔ اگر آپ نے اپنی ہر چیز اللہ کے حوالے کر دی تو اب اللہ کا بندہ جو ہے اس کے ہاں گناہ تو ہوتا نہیں ہے لہٰذا گناہ کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا یعنی جب آپ اللہ کے ہو گئے تو پھر اللہ آپ کو اس طرح کرے گا یعنی کہ جب آپ نے اپنی کوئی شے نہ رکھی، تو پھر آپ کے اس کے ہونے کی حیثیت سے آپ کی ہر شے اسی کی ہو گئی۔

تو دانی حسابِ من کم بیش را

ورنہ کسی بزرگ کے پاس جانے کا تو کوئی مُدعا ہی نہیں ہے۔ اسلام کا سب کو پتہ ہے، نیکیوں کا پتہ ہے اور بدی کا معلوم ہے۔ تو جب کہیں

مشکل پڑتی ہے تو وہیں آدمی کی ضرورت پڑتی ہے، مشکل یہ نہیں پڑتی کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا، نماز تو سارے پڑھتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں اور پڑھی جا سکتی ہے۔ تو بزرگوں کی تلاش یا سلاسل کی تلاش یا اہلِ باطن کی تلاش اس لیئے نہیں کہ عبادت مجھ سے نہیں ہو رہی ہے۔ جتنے بھی اہلِ باطن ہیں وہ سارے اہلِ عبادت ہیں اور عبادت کرتے جا رہے ہیں اور لگا تار کرتے جا رہے ہیں۔ تو یہ عبادت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ محبت کی بات ہے۔ تو محبت جو ہے اس میں یا تو محبوب ہو یا پھر محب ہو، دونوں باتیں انسان میں اللہ کے حوالے سے آتی ہیں، تو یا تو وہ محبوب بن جاتا ہے یا پھر محب بن جاتا ہے۔ محب اور محبوب کے اندر کوئی ایسا نقطہ نہیں ہونا چاہیئے جس سے وہ بے قرار یا مضطرب ہو، سوائے محبت کے۔ اس لیئے اس کے حالات کی کمی و بیشی بھی حل کر دی جاتی ہے۔ یا تو اس کی غریبی میں لطف پیدا کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ غریب رہ کے بھی لطف لیتا ہے یا اس کے حالات بدل دیئے جاتے ہیں اور اس طرح کا جو گناہ ہے وہ مٹا دیا جاتا ہے، یا پھر اس کو گناہ کی اصلیت بتا دی جاتی ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ تاکہ اس کی زندگی میں اطمینان ہو جو کہ اس راستے پر چلنے والوں کا حق ہے۔ اس لیئے توبہ کا مطلب یہ ہے کہ مڑ جانا، وہاں سے راستہ بدل جانا۔ جب آپ نے وہ عمل دوبارہ نہیں کیا تو سمجھیں کہ وہاں توبہ ہو گئی اور جب آپ نے توبہ کی ہے تو اس عمل کو کبھی دوبارہ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ توبہ ہو گئی۔ پھر اس عمل کی یاد مٹ جائے تو پھر یہ اصل توبہ ہو گئی اور اس کا عمل جو ہے وہ نیکی میں بدل جائے گا۔ یہ سارے توبہ کے حصے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ جی! مجھ سے غلطی ہو گئی، محبوب ہے لیکن

غلطی ہو گئی تو وہ کہے گا کہ جا تیری یہ غلطی ہی ہمیشہ تیری خوبی گنی جائے گی۔ تو مقصد یہ ہے کہ معاف کرنے والے کے سامنے گناہ کی حیثیت ہی کوئی نہیں ہے۔ معاف کرنے والا جو ہے اس کے سامنے گناہ کی حیثیت کیا ہے؟ آپ اس کو یوں سمجھو کہ موچی کے سامنے جوتے کو ٹانکہ لگانے کی کیا حیثیت ہے! اللہ کے سامنے مخلوق کی کیا حیثیت ہے! مخلوق بنانے والے کے سامنے کیا مشکل ہے اور وہ کیا نہیں بنا سکتا۔ اس لئے یہ آپ کی مشکلات ہیں اور وہاں اللہ کے ہاں کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہاں کسی قسم کی مشکل نہیں ہے، چھوٹی مشکل بھی نہیں ہے اور بڑی مشکل بھی نہیں ہے۔ اب آپ یہ غور کرو کہ اللہ کریم کے سفر میں یا اس کی طرف خیال کرنے میں دو طرح کے لوگ ہیں اور دونوں ہی صاحبانِ نصیب ہیں۔ ایک وہ جن کے ارادے پورے ہوتے جاتے ہیں اور وہ اللہ کا شکر ادا کرتے جاتے ہیں، اور اللہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن کا کوئی ارادہ پورا نہیں ہوتا اور وہ بھی اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ تو مدعا یہ ہے کہ اللہ کا تقرّب جو ہے یہ آپ کے نصیب کا حصّہ ہے۔ ایسا آدمی بھی اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا، اور ایسا انسان بھی ملے گا جو یہ کہتا ہے کہ میری ہر دعا مقبول ہوتی جا رہی ہے، میں کیوں نہ اس کا شکر ادا کروں۔ تو مدعا یہ ہے کہ ایسے لوگ ملیں گے جن کے پاس سب کچھ ہے اور پھر انکار ہے اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی اقرار ہے، اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے پاس سب کچھ ہے اور وہ مانتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے

پاس کچھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ مانتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کریم کو ماننے اور نہ ماننے میں حالات کو کچھ دخل نہیں ہے مثلاً" اب اللہ کریم پر آپ ذرا غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ اس پیدا فرمانے والے نے انسان کی حدُودِ وجود مقرّر کر دیں یعنی وجود کی حدود مقرّر کر دیں کہ ان حدود سے وجود باہر نہ نکلے اور وجود کے اعضاء مقرّر کر دیے کہ ان اعضا سے باہر اعضاء نہ ہوں مثلاً" سات آنکھوں والا آدمی نہ ہو' دو آنکھیں ہی ہونی چاہئیں۔ تو اسی وجُود کی حُدود مقرّر ہو گئیں کہ اتنا وجُود ہونا چاہئے' اتنا پھیلاؤ ہونا چاہئے اور یہ بھی تھوڑی کمی و بیشی کے ساتھ مقرّر ہو گیا۔ اسی طرح اس کے خیال اور اس کی سمجھ کی حدُ بھی مقرّر کر دیں' اس کے دل اور اس کے احساس کی بھی حدُود مقرّر کر دیں' اس کی بینائی اور بینائی کی رسائی کی حدُود بھی مقرّر کر دیں اور یہ جب ساری حدُود مقرّر ہو گئیں تو ان حدُود کے اندر اس نے اپنی ذات کے بارے میں آپ کو سمجھاتا ہے کہ میں کون ہوں اور وہ خود اس سے باہر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ هو الله الخالق البارى المصور له الاسماء الحسنٰى يسبح له ما فى السمٰوٰت والارض وهو العزيز الحكيم۔ یعنی وہ اللہ خالق ہے' باری ہے' مصوّر ہے' سب اچھے اسماء اس کے ہیں اور زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کی تسبیح کرتا ہے اور وہ عزیز اور حکمت والا ہے۔ تو آپ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ کیسی کیسی اللہ کی صفات ہیں' قدوس ہے' مالک ہے' اول ہے' آخر ہے' باری ہے' مصوّر ہے۔ مصوّر اتنا ہے کہ آپ کے ذہن سے ماوراء ہے۔ تو اللہ نے وہ لفظ اپنے بارے میں بتایا تا کہ آپ کو تھوڑی بہت سمجھ آ جائے کہ مصوّر کیا ہوتا ہے؟ تصویر بنانے

والا کیا ہوتا ہے؟ یہ تصویریں، فی الارحام یعنی رحم کے اندر صورتیں بنانے والا اللہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غور سے دیکھو کہ آپ اللہ کو یا اللہ نے آپ کو اسی محدود زندگی اور محدود سمجھ کے اندر، سمجھنے کی توفیق دی ہے یعنی کہ وہ لامحدود ہے لیکن آپ کی محدود سمجھ کے اندر اس اللہ نے اپنے آپ کی، آپ کو سمجھنے کی دعوت دی ہے کہ جب آپ اسے سمجھتے ہیں مصوّر، تو آپ اپنے ذہن کے مطابق سمجھتے ہیں کہ اس طرح مصوّر ہے۔ اسی طرح وہ باری ہے، قدوس ہے، رحمان ہے اور رحیم ہے۔ اور یہ صفات آپ کی سمجھ کی Range میں Sincere ہیں، آپ اپنی استعداد میں اس سے وفا رکھتے ہیں، صداقت رکھتے ہیں تو پھر آپ کو اسی Range میں بات مل جائے گی۔ یعنی کہ اگر آپ اسم کے ساتھ Sincere ہیں، خالی اسم کے ساتھ، ذات نہیں ہے، تو اگر آپ اسمِ "اللہ" کے ساتھ وفادار ہیں اور صداقت رکھتے ہیں تو آپ کو اسمِ "اللہ" ہی ذات ہی کی طرح فیض دے گا۔ بس صرف آپ کی صداقت Develop ہونی ہے۔ اللہ کی جو توجہ ہے یا جو اللہ کی یاد ہے تو آپ صرف اسم کی یاد کر رہے ہیں کیونکہ ذات تو آپ نے دیکھی ہوئی نہیں ہے اور "اللہ اللہ" کرتے ہیں۔ اگر کاغذ پر دس دفعہ لکھ لو، تو صرف کاغذ پر اللہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تو پوری کائنات سے وسیع تر ہے، خالق ہے، لیکن یہ جو اسم ہے اس کو ذات سے نسبت ہے اور یہ جو نسبت ہے اس کو صداقت اور احترام کے ساتھ اور ادب کے ساتھ اگر آپ یاد کر رہے ہیں، تو پھر وہ ذات آپ کو فیض دیتی ہے، آپ کی حدود کے اندر اس باری تعالیٰ کی صفات کو اگر آپ صداقت

کے ساتھ سمجھتے ہیں تو پھر وہ آپ کو فیض دیتی ہے۔ مثلاً" آپ یوں سمجھیں کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے دیکھا میں نے آسمان کیسے بلند کیا بغیر ستونوں کے اور اس کو مزیّن کیا ستاروں سے اور اس کے اندر کوئی کجی نظر آئی؟ نہیں یہ مکمّل ہے' پہاڑوں کو کیسے ہم نے میخوں کی طرح گاڑ دیا' زمین کو کیسے بچھونا بنایا' ہوائیں کیسی ہیں جو آہستہ چلتی ہیں اور کیسی ہیں جو تیز چلتی ہیں اور تمہارے دلوں کے اندر اللہ کی یاد پیدا کرتی ہیں "کھڑ کھڑ" کی آوازیں آتی ہیں اور "سال سال" کی آوازیں آتی ہیں۔ اور اس طرح آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ تم نے دریاؤں کی موجیں اور سمندر کے طوفان دیکھے اور صحراؤں کی وسعتیں اور تنہائیاں تم نے دیکھی ہیں' پہاڑوں کی غاریں کبھی تم نے دیکھی ہیں اور کس طرح ان کی ہیبت ہے اور کس طرح ان کا دبدبہ ہے۔ اس طرح وہ ذاتِ واحد اپنی نشانیاں بیان کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ تم نے دیکھا کس طرح ہم پانی کے قطرے سے انسان کو پیدا کرتے ہیں! اب آپ یہ بتائیں کہ کہاں ایک ذاتِ انوار و تجلّیات' کائنات وسیع اور کہاں ایک پانی کے قطرے سے اس نے انسان بنایا۔ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ پھر تم خون کا لوتھڑا تھے' تمہیں پتہ ہے کہ پھر تم کیا بن گئے؟ تمہیں پتہ ہے کہ اب تم کیا بن گئے ہو؟ تمہیں پتہ ہے کہ پھر تم کیا ہو جاؤ گے اور آج کیا سے کون بن گئے ہو اور کیا تمہیں پتہ ہے کہ تم کون ہو؟ اب یہ جو بیان کے اندر انتہا کی وسعت ہے یہ بظاہر انتہا کی محدود سی بات ہے اور ایک انسان کے لیئے دونوں طرح سے اللہ کے ثبوت ہیں۔ اب آپ جہاں ٹھہرنا چاہو وہیں پر ثبوت ہے۔ اگر آپ کا خیال وسیع تر ہے تو انوارِ

کائنات میں آپ کو بات ملے گی اور اگر آپ کا خیال محدود ہے تو پھر آپ یہیں سے دیکھ لو کہ جسم میں درد ہے کہ جان میں درد ہے۔ تو جسم میں تو درد ہے ہی نہیں بلکہ درد جان میں ہے اور جان' جان آفرین کی ہے اور اگر جان' جان آفریں کی ہے تو وہ جانے اور اس کا کام جانے اور اس میں ہمارا دخل ہی کیا ہے۔ اگر یہ اس کا کام ہے تو پھر یہ اسی کے نام ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پھر پہچان کہاں مشکل ہوئی؟ کہیں بھی مشکل نہ ہوئی۔ اگر آپ پھیلتے ہوئے تصور رکھتے ہیں' تو پھر پھیل کے دیکھیں اور اس وسیع کائنات اور وسیع ستاروں کو دیکھیں' دریاؤں کی روانیاں دیکھیں' بادلوں کے جھرمٹ دیکھیں' پھولوں کی رنگت دیکھیں اور ان کے اندر پرندوں کا چہچہانا دیکھیں اور اگر آپ اپنے آپ میں دیکھیں تو اپنے خیال کو دیکھیں' اپنی آنکھ کو دیکھیں' اپنی بینائیوں کو دیکھیں' چھوٹے سے بچے کو دیکھیں جو آوازیں نکالتا ہے اور یہی بچہ جو ہے کل کو دبدبہ لے کر آئے گا اور کہے گا کہ ہم کیا ہیں؟ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس اسی بڑھاپے میں سے ہوتا ہوا' خاموش ہو کر مٹی میں جاکر غائب ہو جائے گا۔ تو یہ چار دن کا میلہ ہے' پھر ختم ہو جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ آپ جس حال میں ہیں اس حال میں اللہ کریم کا جلوہ قریب ہے۔ اگر تکلیف میں نہیں ہیں تو اللہ قریب ہو سکتا ہے اور اگر تکلیف ہے تو پھر اللہ بہت ہی قریب ہے۔ تکلیف والے کو تو بہت جلدی اللہ ملتا ہے کہ وہ تکلیف میں جس کو پکارتا ہے وہی قریب ہوتا ہے۔ تکلیف میں پکار نکلتی ہے اور یہ پکار جس نام کی نکلے گی وہی نام قریب ہوگا' اللہ کے نام کی پکار نکلتی ہے تو اللہ قریب ہے اور پھر سوئے ہوئے اور پھر کروٹ کروٹ ان کے وجود سے ذکرِ الٰہی نکلتا

ہے "اللہ اللہ"! یعنی کہ ان کو غم یا تکلیف اپنے تقرّب کا پیامبر بنا کر بھیجی جاتی ہے۔ ان کو تکلیف بھیجی جاتی ہے کہ ذرا میرے قریب لے آئے۔ تو غم اور تکلیف جو ہے وہ تقرّب کی دعوت لے کر جاتے ہیں اور اس کے دل سے نکلتا ہے "اللہ" چاہے رات کی تنہائیوں اور سناٹوں میں ہو یا دن کے وقت ہو اور وہ ہر وقت یہ کہتا رہتا ہے "اللہ اللہ" اور اللہ خود ہی سوال کراتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے۔ اس کو تکلیف بھی خود ہی دی، پھر اسے دعا کا طریقہ بھی خود سکھایا اور پھر دُعا ہی منظور کر لی۔ یعنی کہ تقرّب جو ہے اس حال میں بھی ہے جس حال میں آج آپ ہیں اور جس حال سے نکل کر آپ آگے آئیں گے وہاں بھی تقرّب کی راہ ہے۔ آپ کی محدود زندگی جو ہے یہ بھی وصالِ حق کا پیغام ہے اور لامحدود تصوّر جو ہے یہ بھی پیغام ہے وصالِ حق کا اور یہ اللہ کریم کی شان ہے کہ وہ محدود کو اپنی لامحدود ذات کا جلوہ ہر رنگ میں دکھا رہا ہے۔ تو اپنی ذات کا جلوہ جو ہے اللہ ہر رنگ میں دکھا رہا ہے، آپ کی خوشیوں میں، آپ کے غم میں، آپ کی محفلوں میں، آپ کی تنہائیوں میں، آپ کی شب میں، آپ کے دن میں اور آپ کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ اگر آپ صادق ہیں تو آپ کو ہر حال میں وہ جلوہ نظر آئے گا اور اگر آپ ذات میں سچے نہیں ہیں تو آپ کو اللہ کا جلوہ کہیں بھی نظر نہیں آئے گا۔ گویا کہ اس کا جو پہلا راز اور ضروری پیغام ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم کا جلوہ، اللہ کریم کا علم، اللہ کریم کا تقرّب اسی کائنات میں ملتا ہے، اسی زندگی میں ملتا ہے، یہی ایّام ہیں اور یہی کچھ ہے اور یہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی اور چیز شامل ہو تو میں سمجھوں گا یا کوئی اور شرط ہو کہ اس

حالت میں تو ہمیں سمجھ آئے گی۔ اس لیئے کچھ اور نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کو غریبوں نے سمجھا' امیروں نے مانا' تکلیف والوں نے مانا' راحت والوں نے مانا' دور والوں نے مانا' نزدیک والوں نے مانا' اصل میں ہر حال' ہمہ حال ماننے والے پیدا ہوتے رہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ماننے کی' تقرّب کی شرط آپ کی طرف سے عائد نہیں ہو سکتی۔ جو زندگی ہے یہی زندگی ہے۔ لہٰذا آپ یہ شرط نہ لگانا کہ پہلے یہ ہو جائے یا یہ ہو جائے کہ ایسا ہو جائے' یہ ہو جائے' جو کچھ ہے اس کو یہیں مان لو کیونکہ اس کے بعد وقت ختم ہو جانا ہے۔ یہی کائنات عین جمال ہے' یہی کائنات عین حقیقت کا آئینہ ہے' اس میں آپ کو حقیقت نظر آئے گی اور جن کو نظر نہیں آ رہی ہے وہ اسی کائنات میں کفر دیکھ رہے ہیں۔ تو اللہ کریم نے فیصلہ کیا کہ میں نے نور بھی پیدا کیا ہے اور اندھیرا بھی پیدا کیا ہے۔ اب جو اندھیرے کے شوقین ہیں انہیں ہر طرف اندھیرا ہی نظر آئے گا' گمراہی نظر آئے گی' کمزوری نظر آئے گی' انہیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ تو اس لیئے اللہ کریم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں فرق فرق کی زندگی دی اور یہ دیکھنے کے لیئے دی ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ اس طرح لطف پیدا ہو جائے گا اور آپ کو یہ سمجھ آجائے گی کہ زندگی کیا ہے؟ اور اس طرح آپ پہچان سکتے ہیں کہ اللہ کریم نے آپ کی زندگی میں کیا کچھ لطف پیدا فرمایا ہے۔ اب آپ اس راز کو دیکھیں اور اسے اپنی زندگی میں استعمال کریں۔ مثلاً" اللہ تو لامحدود ہے' لا شریک ہے' لاوجود ہے' لیکن ہر جگہ موجود ہے اور آپ کی زندگی میں دکھ بے شمار ہیں' اور آپ کی زندگی میں بے شمار کام ہیں' بڑی مصیبتیں ہیں۔ تو آپ کیسے اس کے

ساتھ برابری کا رویہ پہچانیں گے کیونکہ وہ تو ایک وسیع تر، عظیم تر اور بلند تر ذات ہے! اور آپ کی زندگی ایک لامحدود تر زندگی ہے اور اگر انسان معبود کو نہ پہچانے تو پھر علم کیسے ملے گا۔ علم تو یہی ہے کہ اس محدود سی زندگی میں لامحدود سے وابستہ رہو۔ اس زندگی کے اندر آپ یہ دیکھیں کہ گھر کے اندر قدم قدم پر، گھریلو زندگی میں قدم قدم پر آپ کو دعا کی ضرورت پڑے گی اور قدم قدم پر آپ کو بلا ٹالنے کا خیال آئے گا۔ کوئی انسان ایسا نہیں چاہے جتنا امیر ہو جس کو اللہ نے آنسو نہ دیے ہوں۔ تو گویا کہ وہ کیفیّت جو سب انسانوں کو ملتی ہے، اسی کیفیت کے اندر تقرّب ملتا ہے۔ حال تو بدلتا جارہا ہے لیکن وہ کیفیّت سب پر آئے گی جسے آپ آنسو کہتے ہیں اور خوشی بھی کہتے ہیں یعنی کہ اب آپ حالات کو نہ گنیں، گنتی نہ کریں، تو حالات ایک کیفیّت کا نام ہیں۔ تو حالات کیا ہیں؟ ایک کیفیت ہے، ایک رستہ ہے، ایک سفر ہے، یا غم ہے یا خوشی ہے، یا محبت ہے یا ٹھنڈک ہے، یا اندر گرمی ہے یا اندر سوز ہے یا تپش ہے اور یہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور اسی کے اندر اس کی پہچان ہے کہ اپنے جذبوں کو، اپنے وجدان کو، اپنے ایقان کو، اپنے ایمان کو عرفان بنائے۔ اور کچھ بھی نہیں کرنا ہے بلکہ اسی کو عرفان بنانا ہے کیونکہ جذبات آپ کے پاس موجود ہیں اور وجدان آپ کے پاس ہے، شعور موجود ہے، زندگی ہے، غم یہیں سے ملے گا، خوشی پاس بیٹھی ہوئی ملے گی اور چھوٹی موٹی غریبی بھی ہو گی، امیری بھی آئے گی، مبارک ہو! صحت بھی مل جائے گی، مبارک ہو! مگر پھر انسان کہے گا سب کچھ تو ہے لیکن نیند نہیں آتی۔ پھر بیماری شروع ہو جائے گی۔ پہلے جو بیوی اچھی تھی کچھ دنوں بعد عذاب لگتی ہے اور اُسے

برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ کبھی زندگی برداشت کرنے کا نام ہے، کبھی ذکر کا نام زندگی ہے، کبھی غم ہے، کبھی خوشی ہے، کبھی سرور ہے، کبھی قریب ہے، کبھی دور ہے اور یہ ساری چیزیں ہیں اور اسی کے اندر اللہ کا نور ہے اور یہ بات سمجھنا بالکل آسان ہے:۔

الف اکھیاں کھول کے ویکھ مورکھ
جس نوں ڈھونڈھنا ایں تیں تھی دور ناہیں
شاہ رگ تھیں بہت قریب ہے او
تیرا اپنا قلب حضور ناہیں
چام چٹھ وانگوں اَنّا آپ ہویوں
آفتاب دا کجھ قصور ناہیں
پردہ غفلت دا پیا ای ہدایتؔ اللہ
تاہیں تدھ نوں دسدا نور ناہیں

بات تو غفلت کے پردے کی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ غافل ہونا چھوڑ دو تو درخت سے جلوہ آجائے گا، موسیٰ علیہ السلام کو درخت سے آواز آئی کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو آپ سننے والے اگر بنیں گے تو بولنے والا بولے گا، آپ جاگنے والے بنو تو جگانے والا تو موجود ہے۔ اس لیئے آپ جس انداز سے اس سے رجوع کریں گے وہ بھی اسی طرح آئے گا یعنی اگر آپ سوتے ہوئے بھی بات کرنا چاہو کہ میں تیرے فضل کے سہارے سو رہا ہوں اور اس خیال سے سو رہا ہوں کہ تیرے سامنے نیند کیا ہے اور جاگنا کیا ہے؟ تو جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے، اس لیئے تو ہماری نیندوں کو بیداری میں بدل دے، تو مہربانی کر! تو وہ مہربانی کر دے

گا۔ تو یہ اللہ کریم کے کام ہیں کہ جب چاہے' جہاں چاہے مہربانی کر سکتا ہے۔ اس لیئے آپ یہ دعا کرو کہ یہ بات سمجھ آنی شروع ہو جائے اور پھر یہ بات آپ کو سمجھ آنا بہت آسان ہے۔ آپ یہ دیکھو کہ جن لوگوں کو اللہ کی بات سمجھ آئی ہے وہ ہر پیشے کے لوگ ہیں' ثابت ہوا کہ پیشہ بھی اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف یہاں نہیں بلکہ دنیا کے ہر علاقے میں ہیں۔ تو گویا کہ علاقہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے یعنی کہ وہ زندگی کے ہر حصے میں ہیں۔ گویا کہ زندگی کا ہر حصہّ اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے' ہر قوم اللہ کا قرب حاصل کر سکتی ہے اور زندگی کا ہر شعبۂ حیات اللہ کا تقرّب حاصل کر سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کو کچھ ایسے بھی ولی اللہ ملیں گے جو پہلوانی کرتے تھے۔ ایک بزرگ کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ پہلوان تھے اور کشتی میں بہت مشہور تھے۔ وہ ولی اللہ کیسے بنے؟ بادشاہ سلامت نے اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارے اس پہلوان کو گرائے گا اس کو ہم دس ہزار اشرفیاں انعام دیں گے۔ اس پہلوان کے مقابلے میں ایک غریب سا اور کمزور سا آدمی اکھاڑے میں آ گیا اور اس نے آکر پہلوان کے کان میں بات کی کہ میں غریب ہوں' سیّد ہوں' میری تین بیٹیاں بیاہنے والی ہیں اور مجھے پیسے چاہئیں۔ تو اس کمزور سے آدمی سے یہ بڑے پہلوان گر گئے تاکہ اس کو دس ہزار اشرفیاں مل جائیں۔ وہ ہار گئے اور شکست ہو گئی۔ وہ غریب آدمی دس ہزار اشرفیاں لے کر چلا گیا اور یہ ولی اللہ ہو گئے۔ بس یہ اتنی سی کہانی ہے اور کہانی ہے ہی نہیں! تو گویا کہ کبھی شکست میں اللہ ہے اور کبھی فتح میں اللہ ہے۔ اللہ ہر مزاج کے اندر' ہر حال کے اندر' ہر انداز کے اندر ہے' اس

شعبے میں ہے، اُس شعبے میں ہے، اِس دفتر میں ہے اُس دفتر میں ہے، اِس وقت میں ہے، اُس وقت میں ہے، زندگی میں ہے، زندگی کے بعد ہے، کسی کو موت ولایت دیتی ہے، کسی کو زندگی ولایت دیتی ہے، کسی کو غریبی ولایت دیتی ہے، کسی کو دولت ولایت دیتی ہے۔ گویا کہ ہر حال، ہر آدمی کے لیئے ہے۔ اس لیے یہ جتنی کثرت نظر آ رہی ہے اس کثرت کے اندر ہی آپ وحدت کو دیکھیں ۔

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت
گر سِرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا

آپ اگر سرِ معرفت کو دیکھو تو اسی وحدت کے جلوے ہر طرف نظر آئیں گے، اس کثرت کے اندر وحدت ہی وحدت ہے، یہ علم بھی اسی کا ہے، وہ علم بھی اسی کا ہے۔ اگر آپ ذرا بلند ہو جاؤ اور غور کرو تو ہر چیز اس کی ہے۔ آپ لوگوں کی اس وقت کی زندگی زمان و مکان کے تصوّر سے گزر رہی ہے۔ یہ ۱۹۸۵ء کا سال جا رہا ہے اور یہی آپ کا زمانہ ہے اور یہ آپ کا مکان ہے، یہ آپ کا شہر لاہور ہے، سڑکیں ہیں، آبادیاں ہیں، نئی آبادیاں ہیں، کچی آبادیاں ہیں اور یہ آپ کے مکانات ہیں اور یہی آپ کا زمان و مکاں کا تصوّر ہے اور جب بھی کبھی آپ کو پاکستان کا تصوّر آتا ہے تو ایک وقت کا تصوّر آتا ہے اور ایک زمین کا تصوّر آتا ہے کہ یہ زمین ہے، یہ نقشہ ہے، یہ تصوّر ہے اور یہ چیزیں ہیں۔ اور اگر آپ ذرا بلندی کا تصوّر کرو اور تقرّبِ لازوال کا تصوّر کرو اور اگر آپ اس بات کا تصوّر کرو کہ چودہ سو سال پہلے کی کتاب آج بھی پہلی کتاب ہے اور ہر زمانے تک یہ کتاب چلتی جائے گی، ایسے بھی لوگ

ہوتے ہیں جو صرف قرآن پاک کو یاد رکھتے ہیں اور جن کو دوسری کوئی شے یاد ہی نہیں ہے اور باقی معاملات میں یہ ان پڑھ بھی ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے سینوں میں ایسے محفوظ رکھا ہوا ہے کہ یہ اس شخص کے سینے میں بھی محفوظ ہے جس کے سینے میں اور کوئی شے محفوظ نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کریم کی شان ہے اور ہر دور کے لیئے یہ شان آ رہی ہے اور چلتی جا رہی ہے۔ ہر دور کے لیئے اللہ کریم نے کوئی واقعہ رکھا ہوا ہے، جو بیان آپ آج سن رہے ہیں، یہ بیان پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ گویا کہ اس اللہ کے سامنے زمان اور مکان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کا بیان ہر زمانے اور ہر مکان کے لیئے ہے اور زمانے اور مکان سے بے نیاز بھی ہے۔ اگر انسان زمان اور مکان سے بے نیاز ہو جائے تو یہ لامکاں کی کیفیت ہے، گویا کہ مکاں کی کیفیت جو ہے یہ الٰہیات کا تقرّب ہے کہ پتہ نہ چلے کہ کون سا زمانہ جا رہا ہے اور آج دن کون سا ہے اور کون سا سال ہے۔ آج جب کبھی کسی کو کوئی غم ملتا ہے اور اس کو اگر حقیقی غم ہے تو دوسرے دن بھی وہی حالت ہو گی اور سال کے بعد بھی وہی حالت ہو گی! گویا کہ جس کو غم کی تیز آنچ لگے تو اس کا موسم بدلتا نہیں اور اس پر ایک ہی موسم طاری ہو جاتا ہے، اسی طرح جس کو تقرّبِ الٰہی مل جائے اس کا بھی موسم نہیں بدلتا۔ اس کے اندر ایک ہی موسم رہ جاتا ہے یعنی کہ ایک دفعہ اگر آپ حال سے گزر جاؤ یعنی اللہ کے بتائے ہوئے راستے کے ذریعے سے آپ ایک دفعہ حال سے گزر جاؤ تو پھر آپ کے جتنے بھی حالات بدلتے جائیں، پھر آپ کا حال نہیں بدلے گا، حال وہی رہے گا اور پھر آپ صاحبِ حال ہو جائیں

گے۔ آپ پر وہ ایک حال اتنا طاری رہے گا کہ ہر حال کے اندر آپ کا راستہ کوئی نہیں روکے گا اور آپ کی یہ کیفیت مستقل ہے۔ اس لئے آپ بدلتے ہوئے موسموں کے ساتھ اپنے آپ کو متاثر نہ کرنا، بدلتے ہوئے رنگوں میں ایک رنگ ہمیشہ رہتا ہے، وہ ہے "صبغت اللہ" جس کو کہتے ہیں "اللہ کا رنگ"! ہر بدلتے ہوئے رنگ میں وہ ایک رنگ قائم رہتا ہے، ہر چہرے میں ایک چہرہ بنیادی طور پر درمیان میں Common رہتا ہے، مشترک رہتا ہے کیونکہ یہ اللہ کا بنایا ہوا چہرہ ہے، اس کی قلم یا اس کا برش لگا ہوا ہے اور جب آپ کو یہ محسوس ہو گیا کہ ہر چہرہ ایک ہی چہرہ ہے تو پھر آپ کو یک رنگی نظر آئے گی۔ تو گویا کہ ان وسیع رنگوں میں، تضاد میں، اور ورائٹی کے اندر جس دن آپ نے یکسانیت ڈھونڈ لی اس دن آپ کو توحید سمجھ آنی شروع ہو جائے گی کہ یہ جو کافر ہے یہ بھی انسان ہے اور یہ بھی اللہ کا بنایا ہوا انسان ہے، یہ بھی مخلوق ہے، یہ بھی وہی ہے، اس کے سینے کے اندر بھی دل وہی ہے، اس کی آرزوئیں بھی وہی ہیں، اس کی آنکھ کے آنسو بھی وہی ہیں جو آپ کی آنکھ کے آنسو ہیں، پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی کہ یہ کائنات اللہ کریم نے کس طرح بنائی ہے، پھر آپ کافر کے ساتھ بھی نیکی کریں گے، اور پھر مسلمان کے ساتھ بھی نیکی کریں گے۔ جب تک کہ کوئی حکومتی لیول کا کام نہ ہو تب تک آپ انفرادی سطح پر نیکی کرتے جائیں، اس قدر نیکی آپ خالق کی نسبت سے کرتے ہیں اور پھر یہاں سے آپ کو مخلوق کی بات سمجھ آئے گی۔ تو ساری ورائٹی کے اندر یکسانیت کا دیکھنا جو ہے یہ وحدت ہے۔ آپ آج کی زندگی دیکھیں تو کل آپ کے پاس کوئی خاص قسم کی تکلیف

تھی لیکن وہ تکلیف آج نہیں ہے۔ میں نے کل بھی آپ کو اللہ کے قریب دیکھا اور آج بھی اللہ کے قریب دیکھا ہے حالانکہ وہ کل والی تکلیف نہیں ہے۔ ایک آدمی اپنے بزرگ کے پاس گیا اور زار و قطار روتے ہوئے عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہو جائے تو بزرگ نے اسے لوگوں کی محفل میں کہا کہ سب لوگ دعا کرو کہ اسے حج کی سعادت نہ ملے تو وہ شخص رونے لگ گیا، چیخنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ میں تو اس لیئے آیا تھا کہ اتنا عرصہ ہو گیا ہے اور قرعہ اندازی میں میرا نام نہیں آیا ہے۔ تو یہ بات سن کر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ دیکھو میری بات سنو، میں نے سولہ حج کیئے ہیں اور تُو میرے سولہ حج لے لے اور یہ درد مجھے دے دے جو تجھے حج کے شوق میں ہے۔ تو بعض اوقات حج جو ہے وہ انسان کو چھوٹا کر دیتا ہے اور انسان کی خواہش کو بڑھا دیتا ہے اور بعض اوقات حج نہ کرنا ہی حج سے زیادہ ہوتا ہے۔

مرشد دا دیدار اے باہوؒ
مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

یعنی اے باہو! مجھے اپنے مرشد کا دیدار بے شمار حج کرنے کے برابر لگتا ہے۔ یہ حج گھر میں ہی ہو جاتا ہے اور یہ ایک درجہ ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شوق اگر وہاں جا کر ٹھنڈا ہو جائے تو پھر وہاں جانا نہیں چاہئے اور اگر شوق حج پر جا کر تیز ہو جائے تو پھر وہاں ضرور جانا چاہئے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ آپ کے اپنے شوق کی کہانی ہے اور یہ آپ کے اپنے ذوق کی بات ہے، اور اللہ جو ہے وہ ہر حال میں "اللہ" ہے۔ جہاں آپ کا من "صفا" ہو گیا وہیں آپ کو وہ مصفّٰی ذات مل جائے گی۔ جہاں آپ

نے اپنا آئینہ تیز کر لیا، چمکا لیا، وہیں آپ عکس دیکھ لیں گے اور جہاں آپ نے سجدہ کر لیا وہیں پر مسجود حاضر ہو گا۔

جب بھی مستی میں سر جھکایا ہے
سنگِ در خود تڑپ کے آیا ہے

مقصد یہ ہے کہ اگر آپ وہاں نہیں جا سکے تو اپنا سر یہیں جھکا دیں تو وہ اللہ یہیں پر ہے! وہ اللہ ہر جگہ ہے اور میں تو ہر جگہ نہیں ہوں بلکہ میں تو کسی جگہ ہوں اور کسی جگہ نہیں ہوں۔ وہ باری تعالیٰ تو یہاں آ سکتا ہے تو پھر سجدہ یہیں سہی۔

ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہاں سہی

ہم تو وہاں نہیں جا سکتے، تُو تو یہاں آ سکتا ہے۔ لہٰذا آپ زمین پر یقین سے سجدہ کریں تو اللہ یہیں ہے۔

بڑی مشکل سے میں نے راز جانا
میرا کعبہ تیرا نقشِ قدم تھا

تو بات اتنی سی ہے کہ ذرا عقیدت ہو جائے تو پھر ہر چیز آپ کو سمجھ آ جاتی ہے۔ اصل میں یہ ساری شوق کی بات ہے۔

تیرے قریب ہوئے جب سے اشکبار ہوئے
ہزار بار کہاں صد ہزار بار ہوئے
ملا نہ ہم کو اگر سنگِ آستاں کا نشاں
برنگِ موج اٹھے راہ کا غبار ہوئے

آپ اپنے حال سے نکلو تو سہی، پھر آپ کو ہر حال اس کا حال نظر آئے گا اور ایک شوق نظر آئے گا۔ میں اس بات کو پھر Conclude کرتا ہوں کہ

آپ اپنے ذوق کو شرائط میں خراب نہ کرنا کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے بلکہ آپ یہ کہنا کہ حال جانے اور اللہ جانے' ہمیں تو صرف اتنا پتہ ہے کہ ہمیں اس حال میں اس کا تقرّب لینا ہے' اگلا حال آئے تو پھر تقرب لیں گے' دن ہے تو ہم دن کا تقرّب چاہتے ہیں' رات ہے تو رات کو ہم اس کے قریب ہونا چاہتے ہیں' درد ہے تو درد میں ہم اس کے قریب رہنا چاہتے ہیں' خوشی ہے تو خوشی میں ہم اس کے قریب جانا چاہتے ہیں' ہر حال میں یعنی جس حال میں سے ہم گزر رہے ہیں' ہمیں اس کا تقرّب چاہیئے کیونکہ یہی اس کا منشاء ہے اور یہی اس نے آپ کو سمجھایا ہے اور یہی اس کی پہچان ہے۔ آپ کے پاس ہی وہ ساری کیفیّات ہیں' جن سے آپ اس کی پہچان کر سکتے ہیں' کبھی آپ کی پیشانی مسجود کی تعریف ہے اور اس کی پہچان ہے۔ آپ کی آنکھ جو ہے اور اس میں بینائی جو ہے' یہ مشاہدے کا ثبوت ہے اور مشاہدۂ حق جو ہے یہ آپ کی بینائی کے ذریعے ہے اور کبھی آپ کا دل جو ہے وہ ثبوت ہے کہ لطفِ تقرّبِ الٰہی جو ہے وہ کیا ہے؟ تو آپ کے اندر ہی یہ ساری کیفیّات ہیں۔ گویا کہ آپ کی شہہ رگ سے قریب ہونے کا تو اس کا ویسے ہی حکم ہے کیونکہ اس کا اعلان ہے کہ میں شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ تو مدعا یہ ہے کہ آپ کے اپنے جتنے بھی احوال ہیں' ان صفات اور قواء کی شکل میں انہی کے اندر تقرّبِ الٰہی ہے اور سارا اللہ انہی میں مل سکتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ وجود میں نہیں ہے بلکہ اس وجود میں اس کا تعارف ہے وہ کائنات سے ماوراء اور بلند ہے' جس طرح پانی میں چاند کا عکس ہے لیکن چاند باہر ہے' بالکل اسی طرح آپ کے اندر اس ذات کا عکس ہے

لیکن ذات ماوراء ہے اور آپ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ذات ہی اندر آ گئی ہے۔ بس ذات ماوراء ہے اور آپ کے پاس ذاتِ باری تعالیٰ کا ایک عکس ہے' یاد ہے' اسم ہے بلکہ اسم بھی عکس ہے۔ تو یہی آپ کی صفت ہے کہ آپ اس میں لطف لو' اس میں عبادت کرو' اس میں صداقت پیدا کرو اور یہی آپ کا تقرّب ہے' اپنی پیشانیوں میں سجدوں کا شوق تیز کرتے جاؤ اور پھر سجدہ ہوتا چلا جائے گا۔ آپ کا شوق جتنا تیز ہو گیا آپ کا مسجود اتنا ہی قریب ہو گا حتیٰ کہ مسجود' پیشانی اور ساجد ایک ہی ہو جائیں گے اور یہ ایک مقام ہوتا ہے جہاں ساجد' مسجود اور سجدہ ایک چیز ہو جاتی ہے' جہاں ذکر' ذاکر اور مذکور ایک جگہ آ جاتے ہیں یعنی ذکر' ذاکر اور مذکور ایک مقام پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور یہ ایک خاص وقت ہوتا ہے اور بالکل تھوڑی دیر کا وقت ہوتا ہے۔ تو آپ آج ہی سے اپنے حال سے اپنی خواہش کو نکال دیں' اپنی حالت سے اپنی خواہش نکال دیں اور اپنی حالت میں اس اللہ کی خواہش ایسے پیدا کریں کہ یہ میری زندگی ہے اور اس میں میری خواہش اللہ ہے! اگر آپ کی زندگی وہی رہے اور اس میں خواہش اس باری تعالیٰ کی پیدا ہو جائے تو یہی زندگی سعید ہو جائے گی' با برکت ہو جائے گی۔ تو آپ اپنی اس موجودہ زندگی میں اور اس موجودہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کی خواہش بنا لیں تاکہ یہ زندگی اس کی خواہش میں گزر جائے اور اس کے نام کی زندگی بن جائے اور اس کے نام پر چلنی شروع ہو جائے۔ اور یہ کب ہو گا؟ جب آپ اپنی خواہش نکال دیں گے۔ تو آپ اپنی خواہش' اپنا ذوق' اپنا Taste اور اپنی اپنائیت' سب کچھ نکال دیں تو پھر سب چیز اسی کی ہو جائے گی اور بس پھر ساری بات بن جاتی

ہے۔ اس طریقے کو آپ نے ابھی تک استعمال ہی نہیں کیا۔ اب ضرور توجہ کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی فرمائے گا۔

سوال :۔

زندگی میں تو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' پھر اللہ سے رجوع کیسے کریں؟

جواب :۔

یہ کوئی علیحدہ بات نہیں ہے کہ حالات آپ کے ساتھ کیسے چل رہے ہیں' آپ کی اپنی Tragedy ہے یا Comedy یعنی آپ کا اپنا غم ہے یا اپنی خوشی ہے' اس کے مصنّف آپ نہ بننا۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ ہم لوگ خود کسی کی تصنیف ہیں اور یہ نہ ہو کہ Written by Mr. You یعنی یہ نہ کہنا کہ تصنیف میری ہے اور یہ کام بھی میں نے کیا ہے۔ آپ نے زندگی میں بے شمار مشاہدات کیئے ہیں مثلاً" آپ کی شادی کی بات ہے تو آپ دیکھیں کہ کوئی کہاں پرورش پانے والا ہے اور دوسرا کہیں اور پرورش پانے والا ہوتا ہے' کہیں اور کا انداز ہوتا ہے اور پھر ایک الگ وجود آپ کی زندگی کے اندر موجود ہو جاتا ہے اور آپ کی زندگی پر تاثیر بن جاتی ہے اور یہ اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ اسی کے اندر آدھی زندگی الجھن میں گزر جاتی ہے اور آدھی زندگی فضل میں گزر جاتی ہے اور پتہ نہیں چلتا۔ آپ اس ساری زندگی کو اللہ کے حوالے کرو اور یہ جو شادی کی شکل میں رشتہ ہے یہ بھی اس کی طرف سے ہے' شادیاں اوپر ہوتی ہیں اور اولاد کی شکل میں سارا خرچ اولاد کے نام پر ہوتا ہے اور

آمدن بھی اولاد کے نام پر ہوتی ہے۔ پھر تو آپ کے نام پر کچھ بھی نہیں ہے اس لیئے آپ کی خوش نامیاں جو ہیں وہ بھی اولاد کے نام ہیں۔ اتنی سی بات ہے کہ چھوٹی سی چیز میں بڑی چیز آپ کو پنہاں ملے گی، بس ذرا توجہ کی بات ہے۔ جس طرح میں نے بتایا ہے کہ پیشانی کے اندر مسجود کا مقام ہے، پیشانی آپ کی ہے اور مسجود خالقِ کائنات ہے۔ اور پہچان ہی کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ جتنا بھی علم سیکھتے جائیں یہ سارا اللہ کا سکھایا ہوا ہے و علم آدم الا سماء کلھا اور ہم نے آدم کو یہی کل اسماء سکھائے۔ اس بات کو آپ یاد رکھیں اور اس کی مہربانیوں کو آپ یاد رکھتے جائیں۔ وہ اگر ستم کرے تو آپ ستم بھی سہتے جائیں۔ بس آپ برداشت کرتے جائیں، اس کا ستم جو ہے وہ کرم ہے۔ اور پھر اس طرح آپ اللہ کے قریب ہو جائیں گے۔ پہلے انسان کو ٹھوکر لگتی ہے، پھر درد پیدا ہوتا ہے، پھر وہ درد میں دوڑتا ہے، بھاگتا ہے، یوں تکلیف کے ساتھ وہ درد ~~جو~~ ہے انسان میں پلتا رہتا ہے۔ اب اس دینے والے نے یہ درد دیا ہے یعنی کہ آپ کی خواہش کے علاوہ کچھ مل گیا ہے اور پھر وہ درد جو ہے وہ اندر ہی اندر ایک ایسی کیفیت پیدا کر گیا جو آپ کے سارے علم نے آپ کو نہیں دی۔ تو سارے علم اور ساری عبادت نے وہ بات نہیں دی ہے جو ایک درد نے آپ کو دی اور وہ آپ کے اندر عرفان پیدا کر گیا ہے وہاں ساری پڑھائیاں کام نہ آئیں۔ اس لیئے ایک لمبا سفر تو ہو نہیں سکتا، تو اس نے درد کی ایک ہی ٹھوکر سے جگا دیا۔ اب ٹھوکر سے تھوڑا بہت درد تو ہو گا، حالانکہ اس درد سے آپ کو جگایا گیا ہے۔ اس کو بزرگوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر پیچھے سے سانپ آ رہا ہو اور اس کو مارنے

کی بجائے آپ کو صرف خطرے سے آگاہ کیا جائے تو وہ پیچھے کی طرف سے آنے والا سانپ آپ کو ڈس لے گا۔ اگر آپ اس کو آرام سے کہتے ہیں تو وہ ڈر جائے گا یا پھر اگر اس کو آپ کہتے ہیں کہ سانپ ہے' ڈس لے گا تو وہ کہے گا کہ تم تو ہو ہی ایسے اور ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔ اگر سانپ اس کو ڈس لے گا تو وہ درد سے چلائے گا اور زہر چڑھ جائے گا۔ اس وقت اسے سمجھانے کا وقت نہیں ہوتا بلکہ عمل کا وقت ہوتا ہے۔ تو یہ سارا کام ہے خطرے سے آگاہ کرنے والوں کا۔ وہ آگاہ کرتے رہتے ہیں کہ خطرہ آ رہا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو یہ بڑی دیر سے سنتے آ رہے ہیں کہ خطرہ آ رہا ہے اور جب خطرہ آ جاتا ہے تو پھر وہ کہتے ہیں کہ اے کاش کہ آپ نے مجھے پہلے بتایا ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو پہلے بتایا تھا تو وہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ہمیں زور سے جگاتے۔ تو اسی طرح کوئی اللہ کی طرف سے جب زور سے جگاتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے اور پھر وہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت ہے۔ تو زندگی کے فنا کی یقینی تصویر ابتدائی درد ہے تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ فنا کیسے ہے؟ مثلاً" صحت کی فنا بیماری ہے۔ اسی طرح دوست کی جدائی فنا ہے۔ اس لئے اللہ کریم سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یارب العالمین! آپ نے جو کچھ احسانات فرمائے ہیں اچھے وقت کی شکل میں یا خوشی کی شکل میں' انہیں ہمارے حق میں مفید بنانے کی استطاعت بھی تو آپ ہی عطا فرما اور ہم پر اپنی مہربانیاں فرما۔ اگر کوئی چیز ہم سے برداشت نہیں ہو رہی ہے تو اس کو آسانیوں میں بدل دے اور ہم پر آسانیاں فرما اور عرفان بھی عطا فرما۔ یعنی ہم پر مہربانیاں بھی کر اور آسانیاں بھی دے۔ یا رب العالمین! تو نے پہلے بھی

مہربانیاں کی ہیں اور مزید مہربانیاں فرما اور ہمیں اپنا بنا لے۔ اور اگر آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ، آپ اپنے آپ کو پہچانو، اپنے آپ کی عزت کرو، اپنے آپ سے محبت کرو، اپنے آپ کو Preserve کرو' محفوظ کرو' اپنے آپ کو Destroy ہونے سے بچاؤ' تباہ ہونے سے بچاؤ' اپنے مقام کو پہچانو' اس کائنات میں آپ کا آنا عبث نہیں ہے' فضول نہیں ہے' یہ زندگی ہے کوئی مذاق نہیں ہے اور آپ کو میں یہ بات یقین سے کہتا ہوں کہ اگر دس آدمی ہی ایمان' یقین اور وثوق والے آ جائیں تو وہ پوری دنیا کی زندگی کو بدل دیں گے۔ اور پوری زندگی ہی یقین والی ہو جائے گی۔ اب آپ اپنے آپ کو پہچانو' اور اپنے مقام کو' پہچانو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خواہشات کی تکرار نہ کرو اور نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ نعمت کی موجودگی میں اور شکر کرو تو اللہ تعالیٰ آپ کو قریب ملے گا۔ میں آپ کو اس کا طریقہ سمجھا رہا ہوں کہ جو کچھ اسی نے دیا ہے اسی کے اندر ہی اس نے اپنا قرب رکھا ہوا ہے' دینے والے نے جو حالات دئے ہوئے ہیں' ٹھیک دئے ہوئے ہیں' آپ اسی کے اندر ہی رہو اور انہی حالات کے اندر ہی اللہ کو پہچانو۔ اس لئے پہلے آپ یہ کہو کہ جو حالات گزر رہے ہیں آپ ان پر راضی ہیں تو اللہ آپ پر راضی ہے۔ اگر آپ اللہ پر راضی ہیں تو اللہ آپ پر راضی ہے اور جب اللہ آپ پر راضی ہے تو پھر آپ کے حالات خود بخود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ خود ہی اپنی ضرورتیں پیدا کرتے ہیں اور ساتھ ہی خود ہی ضرورت کا علاج پیدا کرتے ہیں' حالانکہ آپ اپنے اندر تسلیم پیدا کر سکتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ آپ صرف تسلیم پیدا کر سکتے ہیں اور آپ

راضی ہونا پیدا کر سکتے ہیں۔ جس نے ضرورت پیدا کی وسائل بھی وہی پیدا کرے گا کیونکہ وسائل کا تقاضا بھی وہی دے رہا ہے' لہٰذا آپ صرف تسلیم کرو اور آپ اُس کا کام اُس کے حوالے کرو اور اپنا کام آپ خود کرو۔ آپ کا کام کیا ہے؟ الحمد اللہ یعنی اللہ کا شکر ادا کرنا اور یہ کہنا کہ جو کچھ ہے ٹھیک ہے۔ پھر آپ کے حالات بہتر ہو جائیں گے' بدل جائیں گے اور خوبصورت ہو جائیں گے۔

صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیّدنا و مولیٰنا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

☆... ○...☆

۸

۱ تلاش حق کیا ہے اور حق کے مسافر کے لیئے بیعت کیوں ضروری ہے؟

۲ کیا مشیت ایزدی کبھی حق تلفی کر کے بھی انسان کے درجے بڑھا دیتی ہے؟

۳ امام حسینؑ کو حق حاصل تھا کہ وہ خلیفۂ وقت بنتے لیکن وہ شہید ہو گئے۔

۴ آج کل یہ جو بیعت کم ہو گئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

۵ محبت اور عقیدت میں کیا فرق ہے؟

سوال :۔

تلاشِ حق کیا ہے اور حق کے مسافر کے لیئے بیعت کیوں ضروری ہے؟

جواب :۔

حق کیا ہے؟ اللہ! کیسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ حق ہے؟ اگر ایک انسان کسی شے کی تلاش میں جارہا ہو اور وہ شے اس نے دیکھی ہوئی نہیں تو وہ اس شے کو کیسے پہچانے گا؟ بتانے والا اس کو جو بتائے گا وہ الگ آدمی ہے اور جو سنے گا وہ ایک الگ آدمی ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو اکٹھا کرنے کا نام بیعت ہے۔ آپ کو بات سمجھ آئی۔ مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والا اور ہوتا ہے، تو بتانے والے سے سننے والے کے درمیان علم کا ایک فاصلہ ہوتا ہے، یہ فاصلہ بیعت سے طے ہوتا ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ بتانے والا آدمی کسی چیز کی تلاش میں جا رہا ہوتا ہے اور چیز کو اس نے دیکھا ہوا نہیں ہوتا، اس سے آگاہ نہیں ہوتا ہے۔ تو اس چیز تک پہنچنے کے لیئے راستہ کوئی بتانے والا بتائے گا۔ بتانے والے سے علم کا حاصل کرنا دراصل ایک Relation کا نام ہے، رشتے کا نام ہے، اب اس سے یہ

ثابت ہوا کہ بتانے والا جو ہے وہ زیادہ علم رکھتا ہے اور پوچھنے والے کا کم علم ہے۔ یعنی بتانے والا آگاہ ہے اور پوچھنے والا وہ آگاہی نہیں رکھتا، اس آگاہ شخص سے علم حاصل کرنے کا جو رشتہ ہے وہ بیعت کہلاتا ہے۔ یہ فاصلہ وہ طے کرائے گا۔ آپ اب اس کا نام استاد رکھ لیں، بیعت کنندہ رکھ لیں یا بیعت کردہ رکھ لیں۔ اس تعلّق کا ایک نام بیعت ہے، دوسرا نام عقیدت ہے اور تیسرا نام اِتّفاق ہے یا حسنِ اتفاق۔ بعض اوقات اس بیعت کے بغیر بھی وہ شخص آپ کو علم دے سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ کوئی استاد بھی ہو سکتا ہے اور وہ حقیقت تک خود پہنچ جائے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہیں اس طالب کو ادب کا طریقہ حاصل کرنا پڑے گا، ورنہ وہ بے ادب ہو جائے گا، گستاخ ہو جائے گا اور مغرور ہو جائے گا۔ اسْ واسطے پھر بیعت کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ بیعت سے اگر کچھ بھی حاصل نہ ہو تو ایک بات ضرور حاصل ہو گی کہ آپ کو ادب کرنے کا طریقہ آ جائے گا۔ تو ادب جو ہے یہ حق کی تلاش میں بہت ضروری ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
یہ لوگ ادب ضرور سکھا دیتے ہیں۔

اس راہ میں اتنی بات کا آ جانا بڑی بات ہے۔ دوسرا آپ یہ دیکھو کہ ایک بیمار آدمی ہے اور حق کی تلاش کر رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی تلاش کر رہا ہوں، دراصل اسے ڈاکٹر کی تلاش ہوتی ہے۔ تو بیمار کی تلاشِ حق کا سبب اس کی بیماری ہے اور حق کی تلاش میں جارہا ہے تو اس کی تلاش کی وجہ غربت ہے، اس کی تلاش سے مراد ایسا علم ہے جو اس کو غریبی سے نکال دے یا غریب.

الوطنی سے نکال دے۔ تو اس صورت میں حق کی تلاش اپنی ضرورت کے مطابق ہے۔ ان باتوں کو سمجھنے کے لیئے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی شخص اسے یہ بتائے کہ دیکھو آپ حق کی تلاش نہیں کر رہے کیونکہ حق تو وہ ہے جس نے آپ کو بیماری دی ہے۔ اگر یہ پتہ چل جائے کہ اللہ نے بیماری دی ہے تو تلاشِ حق والا بیماری کو دور نہیں کرے گا۔ لیکن آپ تو بیماری سے نکلنا چاہتے ہیں۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے بندے کو اللہ نے مارا تو تلاش والا کہے گا کہ پھر ٹھیک ہے کیونکہ اس اللہ نے مارا ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرنا عبادت کا ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ حق کی تلاش صحیح ہے بشرطیکہ وہ ضرورت کی تلاش نہ ہو۔ یہی بات بیعت والے لوگ بتاتے ہیں کہ یہ ضرورت کی تلاش ہے' یہ حق کی تلاش ہے اور یہ حق کی تلاش نہیں ہے۔ اس لیئے اکثر لوگ حق کی تلاش میں نہیں ہوتے بلکہ اپنی ضرورت کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ تو تلاشِ حق جو ہے یہ بڑی مشکل چیز ہے۔ حق کی تلاش وہ شخص کرے جو حاصل اور محرومی کو برابر سمجھے' جو یہ سمجھے کہ حاصل کیا ہے اور محرومی کیا ہوتی ہے' یہ دونوں اللہ کی طرف سے دی ہوئی ہیں۔ حق کی تلاش وہ کرے جو ہونے اور نہ ہونے کو برابر سمجھے۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ حق زندگی دیتا بھی ہے اور زندگی واپس لیتا بھی ہے تو پھر آپ اس کو تلاش کرو' اب یہ پتہ نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ دینے کا عمل کر دے یا لینے کا عمل کر دے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ راضی ہو گیا کیونکہ بڑے پیسے مل رہے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ اللہ راضی ہو گیا ہے اور پہلے پیسے بھی چلے گئے۔ اب یہ اللہ کی رضا ہے' وہی جیسے مرضی

کرے۔ اب یہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ پیسے کے واپس چلے جانے کا عمل جو ہے یہ حق نہیں ہے' یہ بھی حق ہے اور پیسے کا آنا بھی حق ہے۔ پیسہ اللہ کی رضا سے آیا تھا اور اس کی رضا یہ بھی ہے کہ پیسہ چپکے سے واپس چلا جائے۔ اب دونوں باتوں پہ راضی رہنا حق کے طالب کا کام ہے' اب یہ باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پیسے چلے گئے کیونکہ حق مجھ پر ناراض ہے مگر حق تو پیغمبروں کو غریبی سے گزارتا ہے اور پیغمبر ہمیشہ راضی رہتا ہے' شہادت گاہ سے گزارتا ہے اور ہمیشہ راضی رہتا ہے۔ تو تلاشِ حق والے کو اس کی رضا مندی چاہئے نہ کہ اپنی رضا چاہئے۔ اگر آپ کو اس کی رضا چاہئے تو پھر آپ کو جس راستے سے وہ گزارے' وہی راستہ بہتر ہے۔ اس لیئے ان باتوں کو سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ جاننے والوں کے ساتھ آپ کا تعلق ہو اور نسبت ہو تاکہ آپ کو ہمیشہ یہ بات سمجھ آتی جائے۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ آپ اس کو غلط Read کر لیں' غلط سمجھ لیں اور پھر سارا سلسلہ ہی غلط ہو جائے۔ وہ اگر کہے کہ یہ تو غلط بات نہیں ہے تو بات کو غلط سمجھنے والا کہہ سکتا ہے کہ پتہ نہیں مجھ سے کون سی غلطی ہو گئی ہے' حالانکہ وہ غلطی نہ ہو بلکہ انعام ہو اگر حق کا طالب یہ بات نہ سمجھے کہ اللہ غریبی بھی دے سکتا ہے تو اس سے پوچھو کہ کیا جتنے پہلے حق کے طالب تھے' وہ سارے کے سارے دولت مند تھے؟ جن لوگوں کو آپ مانتے ہیں اور جن کا کلمہ پڑھتے ہیں کیا وہ سارے کے سارے Millionaire تھے' کروڑ پتی تھے۔ لیکن نہیں! ایسا تو نہیں تھا! مطلب یہ ہے کہ وہ کروڑوں پتی نہیں تھے۔ جو حق دینے والے تھے وہ فاقے سے گزرے۔ آپ لوگ

سیرتِ پاک بیان کرتے رہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے گھر میں تو فاقہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ محبوبِ خدا تھے۔ بات کیا ہے؟ تو گویا کہ محبوب ہونے کے لیئے فاقہ ہونا بھی صحیح بات ہے۔ آپ یہ دیکھو کہ وہ محبوبِ کائنات ہوں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں تو فاقہ جو ہے یہ محبوبیّت کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ بات عام آدمی کو سمجھ نہیں آتی اور وہ کہتا ہے کہ جب محبوب ہیں تو پھر تو فراوانی ہونی چاہیئے۔ جاننے والے یہ کہتے ہیں کہ فراوانی اس لیئے نہیں ہونی چاہیئے کہ آپ لوگوں کو حق کا محبوب بننا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ محبوب بننے کی بجائے آپ مغرور بن جائیں، تو اس لیئے تلاشِ حق والے اذیّت سے گزرے اور پیغمبر بیمار بھی ہوئے، اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے Appointed duty تو پیغمبری کی ہو، اور پیغمبر غریب یا بیمار کیوں ہو۔ تو ایک بات ساری کائنات کو آج تک سمجھ نہیں آئی، پیغمبر دین کی بات بتاتے تھے کہ آپ لوگ اللہ کو مانو تاکہ آپ آسودگی میں داخل ہو جاؤ۔ تو لوگوں نے اس سے یہ بات سمجھی کہ انسان آسودہ ہو جاتا ہے، یہ دنیا بھی بہتر ہو جاتی ہے اور اگلی دنیا بھی بہتر ہو جاتی ہے۔ مگر بہت ساری دنیا کو آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ وہ آسودگی ہوتی کیا ہے؟ کبھی تو وہ آسودگی اس طرح ملتی ہے کہ غریبوں کو بادشاہت مل جاتی ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ آپ کی دولت باعثِ غرور ہوتی ہے تو ایسے میں وہ آپ سے علیحدہ کر دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کے احسانوں میں ایک احسان ہے کہ دولت کی محبت اور دولت کی قربت دونوں آپ کے دل سے نکال دی جائیں تاکہ آپ محبوب ہونے کا راستہ دریافت کر سکیں۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ممکن ہے کہ آپ کو مالدار

بنا دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ سے پہلا مال بھی لے لیا جائے۔ راہِ حق میں محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کے لیئے اس لیئے تیار ہیں کہ یہ فیصلہ اللہ کا ہے۔ اگر یہ سمجھ آ جائے کہ یہ فیصلہ اللہ کا ہے تو کوئی فوت ہو گیا تو حق والا کہے گا کہ اگر اللہ نے مارا ہے تو یہ جان اللہ کی طرف سے قبض کی گئی ہے، تو پھر تو یہ اللہ کا عمل ہے۔ اگر یہ کسی اور آدمی کا عمل ہے تو پھر غور سے دیکھو کہ اگر یہ کسی اور کا عمل ہے تو کیا Appointed time، مقرّرہ وقت کے علاوہ جان نکلتی ہے؟ نہیں نکلتی! اگر ٹائم مقرّر ہے اور حکم اس کا ہے تو پھر اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور راضی ہونا فقیر کا کام ہے۔ اگر آپ کو تقدیر کا قلم مل جائے تو پھر آپ کیا کریں گے؟ جو حکم ہے اس کو ویسے ہی رہنے دیں۔ اس لئے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو چاہنے والے اور اس کے فیصلوں پر عمل کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اگر ساری کائنات پر ایک دن کے لئے قدرت مل جائے تو اس میں اپنی طرف سے نہ کوئی اضافہ کرے اور نہ تخفیف کرے بلکہ کائنات کو جُوں کا تُوں چھوڑ دے۔ تو حق سے محبت دراصل اس کے امر سے محبت ہے، اس کے فیصلوں سے محبت ہے، اس کے دئے ہوئے صدمات سے محبت ہے، وہ فاقہ دے تب راضی، دولت دے تب راضی؛ وہ جس حال میں رکھے ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔ ورنہ تو یہ ہو گا کہ جن کا رنگ زیادہ سفید نہیں ہے وہ تو خدا سے محبت ہی نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ تو اچھا خدا ہے کہ اس کو یہ دے دیا اور ہم کو وہ دے دیا۔ کوا جو ہے یہ تو پرندہ ہونے سے انکار کر دے کہ مور کی موجودگی میں میرا مقام کیا ہے؟ تو حق

یہ ہے کہ کوا کوا ہونے پر راضی ہو اور مور مور ہونے پر راضی ہو، رنگ والا، رنگ پہ راضی ہو اور بے رنگ اپنی بے رنگی پر راضی ہو، غریب اپنی غریبی میں راضی ہو، دولت مند اپنی دولت مندی میں راضی ہو۔ حق کی محبت تو یہ ہے کہ جس کو جس حال میں رکھے، وہ اس حال میں راضی رہے۔ آپ بے شک اپنے حال کو بدلنے کی استعداد پیدا کریں لیکن راضی ہونے کا عمل کبھی ترک نہ کریں۔ آپ بے شک کوشش کریں، ہوا میں اڑیں، پرواز کریں، خیال کی پرواز کر لیں۔ اگر آپ کو پرواز مل جائے تب راضی رہنا اور زمین پر آ جائیں، تب بھی راضی رہنا۔ تو حق کے تقرّب میں رہ کے لوگ اپنے تصرفات کرتے ہیں لیکن دونوں حالتوں میں راضی رہتے ہیں، وہ کامیاب ہوں، تب راضی، ناکام ہوں، تب راضی مثلاً" کوئی شخص حج کی بڑی دیر سے خواہش رکھتا ہے مگر جا نہیں سکا تو اسے بھی راضی رہنا چاہئے، ایسا ممکن ہے کہ اس کا نہ جانا اس کے لیئے زیادہ فائدہ مند ہو۔ ایک آدمی اپنے شیخ کے پاس گیا اور کہا کہ بیس سال سے میں کوشش کر رہا ہوں اور مجھے حج کا موقعہ نہیں مل رہا۔ یہ کہہ کر وہ بہت زیادہ روتا رہا اور درخواست کی کہ یا شیخ دعا کریں کہ مجھے حج کا موقعہ مل جائے۔ اس کے شیخ نے کہا سارے دعا کریں کہ اس کو حج کا موقعہ نہ ملے۔ اس بات پر وہ شخص اور رویا اور کہنے لگا کہ یہ آپ نے کیا غضب کر دیا، میں حج پہ جانا چاہتا ہوں اور آپ میرے نہ جانے کی دعا فرما رہے ہیں۔ جب رونے کے بعد کچھ بحال ہوا تو اس کے شیخ نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں نے سولہ حج کئے ہیں اور سولہ حجوں کا ثواب تم لے لو اور حج کرنے کی خواہش کا جو درد ہے وہ مجھے دے دو! تو حج کرنا تو

ثواب والی بات ہے' لیکن جو حج کی شدید خواہش ہے یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے۔ تو یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ آپ کو غریبی میں رکھے' دوری میں رکھے' یا قربت میں رکھے کیونکہ اس کے ہاں دور قریب تو ہے کوئی نہیں' دور قریب کا فاصلہ تو انسانوں کی دنیا میں ہوتا ہے' اللہ کے ہاں کیا دُوری اور کیا قریبی ہے؟ اور خیال کو بھی کیا دُوری ہے' مثلاً" اگر تعلق ہو تو دُور رہنے والا آپ سے متعلق ہو سکتا ہے۔ مثلاً" آپ کا بیٹا دور گیا ہوا ہے' آپ ہر وقت اس کی یاد میں رہتے ہیں' بیٹا' بیٹا کرتے رہتے ہیں اور جو آپ کے قریب رہنے والا بیٹا ہے اسے ڈانٹتے رہتے ہیں تو قریب ہونے یا دُور ہونے کی بات نہیں بلکہ پسند ہونے کی بات ہے۔ تو یاد کا نام بہتری ہے اور تعلق کا نام بہتری ہے۔ اس کی ذات کے مقابلے میں دُور اور قریب کوئی نہیں ہے' فاصلے کوئی نہیں ہوتے' حاصل اور محرومی کوئی نہیں ہوتے بلکہ صرف رضا ہی رضا ہوتی ہے۔ جن بزرگوں سے آپ کو عقیدت ہے ان میں سے آدھے لوگ وہ ہیں جو اس کی راہ میں مر گئے' اب ہماری عقیدت' مر جانا ہے اور یہی ہماری زندگی ہے۔ گویا کہ مر جانا بھی زندگی کی Achievement ہے' زندگی کا حاصل ہے۔ وہ بزرگ جن کو آپ یاد کرتے ہیں اور جنہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ غریب تھے مگر اللہ کی یاد میں گم تھے۔

اپنے ملک میں رہنا اچھی بات ہے مگر آپ کو کہا جائے کہ دوسرے وطن چلے جاؤ تو آپ کے لئے مشکل ہو گا۔ اسی طرح آپ کو کہا جائے کہ بغیر کسی سہارے کے لاہور سے شیخوپورہ تک پیدل جاؤ تو یہ آپ کے لئے بڑا مشکل ہو گا۔ اور All the way غزنی سے پیدل لاہور میں آنا پڑے تو

یہ فقیری تو ہو گی۔ وہاں سے یہاں تک پیدل چل کے آنے کا عمل جو ہے اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ فقیری ہوتی کیا ہے؟ جب کہ زبان بھی اپنی نہ ہو، ملک بھی اپنا نہ ہو، آمد و رفت کا ذریعہ بھی نہ ہو اور ٹیلی فون بھی نہ ہو تو پھر یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ سے تعلّق ہوتا کیا ہے؟ اس تعلّق کی وجہ سے لاہور میں آ کے داتا صاحبؒ نے ایسی رونق لگائی کہ آج بھی یہ کہتے ہیں کہ ۔

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نُورِ خدا

غزنی سے لاہور تک آنے میں پیدل واقعہ ہو گا، اس زمانے میں کوئی Conveyance بھی نہیں ہوتی ہو گی، اور زمانہ دیکھو کہ ہزار سال پہلے کا ہے۔ تو پھر یہ ثابت ہوا کہ حق کے مسافر کے لیئے قریب اور دُور کی بات نہیں ہوتی، وطن اور بے وطنی کی بات نہیں ہوتی، دولت اور غریبی کی بات نہیں ہوتی اور حاصل اور محرومی کی بات نہیں ہوتی۔ تو حق والے بہر حال حق والے ہوتے ہیں۔ اب انسان اگر یہ بات سمجھتا ہے تو اس آدمی سے جو جانتا ہے اور جو حق والا ہے اور اس سے تعلّق بنا لینے کا نام بیعت ہے اور وہ حق والا اسے عرفان دیتا ہے تاکہ بیعت کرنے والے کو گمراہی نہ ہو۔ تو بیعت کے بغیر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حق کیا ہے ورنہ تو انسان اپنے خیال کو ہی حق سمجھتا ہے جس طرح کہ بیمار آدمی ڈاکٹر کو غلطی سے اللہ سمجھ بیٹھتا ہے، کہتا ہے اللہ کو یاد کر رہا تھا اور ڈاکٹر صاحب ہی آ گئے، اگر آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اللہ کو آنا چاہیئے۔ اس لیئے ضرورت مندی اور حق طلبی میں فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق بیعت کے بعد واضح ہوتا ہے اس لیئے بیعت ضروری ہو جاتی ہے۔

سوال :۔

کیا مشیّتِ ایزدی کبھی حق تلفی کر کے بھی انسان کے درجے بڑھا دیتی ہے؟

جواب :۔

اگر حق کے فیصلے اور اپنے حقوق کی بات ہو رہی ہے تو یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ آپ کا حق کونسا ہے۔ مشیّتِ ایزدی اور اپنے استحقاق کا فرق رکھنے والا مشیّتِ ایزدی سے ناواقف ہے۔ اگر آپ اپنا استحقاق بتائیں اور مشیّت کو الگ رکھیں تو آپ کو مشیّت کبھی سمجھ نہیں آئے گی۔ تو حق کیا ہے اور مشیّت کیا ہے؟ حق وہ ہے جو مشیّت کا راستہ طے کرائے۔ اس طرح تو درجات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور پہلے درجات اور بڑھ جاتے ہیں۔

سوال :۔

حضرت امام حسینؑ کو حق حاصل تھا کہ وہ خلیفۂ وقت بنتے لیکن وہ شہید ہو گئے۔

جواب :۔

جس ذاتِ ایزدی نے امام پاکؑ کو اس راستے سے گزارا آپ اس ذات کو دیکھیں۔ اگر یہ آپ کا گِلہ ہے کہ ان کو خلافت نہیں دی گئی اور شہادت دی گئی ہے، تو پھر تو آپ مشیّتِ ایزدی کو سمجھ نہیں سکتے کہ حقیقت میں مشیّتِ ایزدی کیا ہے؟ مشیّتِ ایزدی جو ہے وہ چاہے تو

مرتبوں کو رسوا کرے اور چاہے تو محروموں کو سرفراز کرے۔ یہ درمیان میں "تم" کون ہے؟ درمیان میں یہ جو "تم" ہے یہ دنیا کی تاریخ لکھنے والے ہیں۔ "تم" تاریخ لکھنے والے جھوٹے ہو۔ مشیتِ ایزدی میں یہ دنیا یوں نہیں ہے جیسے آپ سمجھ رہے ہیں۔ مثلاً" چور کسی بیچارے کے پاس سے پیسہ لے گیا اور اگر دینے والا ساتھ ہو اور لینے والا ساتھ ہو تو پیسہ کیا ہوتا ہے؟ مطلب ہے کہ جس کی یہ دنیا ہے' جب اس کے ساتھ تعلق ہو جائے تو پھر مشیّت سمجھ آئے گی۔ تو تاریخ کا لکھنا اکثر لکھنے والے کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقرّب کے فیصلے ہیں اور تاریخوں کے فیصلے نہیں ہیں۔ تو مشیّت تقرّب کی بات ہے اور تعلّق کی بات ہے۔ یہ بات سمجھنے سے پہلے آپ کا تعلّق بحال ہونا چاہئے۔ تو مذہب کیا ہے؟ حقیقت سے تعلّق ہے۔ اب اگر تعلّق دینے والا' جس سے آپ متعلّق ہونا چاہتے ہیں' اگر اس کا آپ کو پتہ چلے کہ وہ سنگِ در میں نظر آئے گا' پھر تو آپ پیشانی جھکائیں گے۔ آپ کو سنگِ در سے کوئی نسبت نہیں ہے بلکہ اس نشان سے ہے کیونکہ وہ یہاں ملے گا۔ اگر اللہ دار پر چڑھنے سے ملے گا تو وہ وہاں چڑھ جائے گا' اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ جو آپ کا محبوب ہے وہ خنجر کھانے سے مل سکتا ہے تو ایمان والا کہتا ہے کہ ہم راضی ہیں' مگر آپ تو اس شہید سے ہمدردی کرنے لگے ہیں اور اللہ کے ہاں اس شہید کے لئے سرفرازیاں ہو رہی ہیں۔ اس لئے آپ تاریخ کو چھوڑ دیں' حق طلب آدمی جو ہے وہ تاریخ نہیں پڑھتا' اس کا تاریخ سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ کیونکہ تاریخ کو مشیّت کی سمجھ نہیں۔ تاریخ جو ہوتی ہے یہ جمہوریّت والے پڑھتے ہیں۔ جمہوریّت والے کون

ہیں؟ کہ یہ اِس کا حق ہے اور یہ اُس کا حق ہے، اس کو حق سے محروم کردیا گیا اور فلاں کو زیادہ دے دیا گیا، اللہ تعالیٰ بھی کمال کرتا جا رہا ہے، جب چاہتا ہے معزول کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے مقبول کر دیتا ہے، کسی کو نافذ کر دیا اور کسی کو معزول کر دیا۔ تو یہاں سے لوگوں نے انکار کیا ہے اور یہاں سے لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم جس اللہ کی عبادت کر رہے ہو وہ تو اپنے محبوبوں کو کربلا میں رلاتا ہے۔ ماننے والے نے کہا کہ وہ اللہ جو اپنے محبوبوں کو کربلا عطا فرماتا ہے اب یہ اس کی عطا کی اور مہربانی کی بات ہے۔ اس لیئے آپ اپنے آپ سے باہر نہ نکلیں، کچھ دن فاقے کریں اور کچھ دن شب بیداری کریں تو پھر آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ کربلا جو ہے یہ کوئی ابتلاء نہیں ہے بلکہ مہربانی کی انتہا ہے! اگر آپ کا محبوب کربلا میں ملے تو پھر آپ کو کربلا میں چلے جانا چاہیئے۔ آپ لوگ تو آسائش میں رہنے والے ہیں اس لیے آپ کو پتہ نہیں چل سکتا کہ اصل بات کیا ہے؟ تکلیف یوں نہیں ہے جیسے آپ کہہ رہے ہیں بلکہ یہ اللہ کے تقرّب کی بات ہے۔ آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ پڑھا ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب رکھنے والے پیغمبر تھے مگر بیمار ہو گئے۔ تو کمال کی بات ہے کہ پیغمبر بیمار ہو گئے اور پھر کہا کہ اللہ سے میرا تعلق اسی طرح ہے، تو لوگوں نے کہا کہ آپ کا اچھا تعلق ہے کہ آپ تو بڑے سخت بیمار ہیں۔ آپ اس زمانے میں ہوتے تو کیا کرتے؟ آپ ایوب علیہ السلام سے تعلق رکھتے یا نہ رکھتے؟ سچا تعلق یہ ہے کہ اگر آدمی سچا ہے تو وہ سچ کے حوالے سے تعلق رکھے گا۔ آپ لوگ تو صحت، بیماری، غریبی، دولت اور دوسرے اسباب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ تو اسباب کی تقرّب کے

معاملے میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تو اصل تعلّق جو ہے وہ تقرّب کا تعلق ہونا چاہئے۔ اہلِ ظاہر کو یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ اہلِ باطن کا مقام کیا ہے۔ دنیادار یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مل جائے تو اللہ تعالیٰ سے تم سب چیزیں مانگو، فرعون کی طرح کی بادشاہی مانگو، دولت مانگو، اور یہ مانگو کہ میرا حکم نافذ ہو جائے۔ تو یہاں سے دِقّت پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ کو اللہ ان باتوں کے علاوہ دے تو پھر آپ کو اس کے پاس جانا مشکل ہو جائے گا۔ تو آپ یہ بات ضرور سمجھیں کہ مشیّت میں تاریخ کا مقام نہیں ہے، دوسرے واقعات کا مقام نہیں ہے اور کچھ آدمیوں کی رائے کا سوال نہیں ہے بلکہ یہاں اللہ کی رضا کا تعلّق ہے۔ تو مشیّتِ ایزدی رضائے الٰہی کے فیصلے یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے قبول کرنا ہے۔ تو مشیّت والا اس کا بندہ بھی ہے اور اس کا چاہنے والا بھی ہے، وہ جس حال سے گزارے اس حال سے گزر جانا چاہئے۔

تو ہر دم می سرائی نغمہ او ہر بار می رقصم
بہرِ طرز کہ تو رقصانیم اے یار می رقصم

یعنی جب بھی تو نے نغمہ سنایا، میں نے رقص کیا اور تیری مرضی ہے کہ تو جس طرح سے جس حال میں، مجھ سے رقص کرا لے، تیری مرضی ہے تو جہاں رکھے، ہم راضی ہیں۔ تو آپ یہ بات دل میں طے کرنے کی گنجائش ضرور پیدا کریں۔ عام بندہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم ہر حال میں راضی ہیں، لیکن بہتر ہے کہ ہمیں ذرا آسانی میں رکھ، کیوں کہ ہم کمزور انسان ہیں، تیری مخلوق ہیں اور بڑے عاجز ہیں۔ اور اللہ کا طالب جو ہے وہ پھر رعائتیں نہیں چاہتا بلکہ عام بندہ رعایت چاہتا ہے۔ تو اگر

آپ اس کے عام بندے کی حد تک ہیں تو تلاشِ حق عام بندے کا سوال نہیں ہے۔ عام بندہ تو اپنی عبادت کرے اور یہ دعا مانگے کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار یعنی یا اللہ ہماری دنیا بہتر کر، ہمارا دین بہتر کر اور آگ کے عذاب سے بچا۔ یعنی کہ اے اللہ ہمارے بیوی بچوں کو بھی راضی رکھ اور ہمارے ماں باپ کو بھی راضی رکھ۔ تو دنیا اس وقت بہتر ہو جاتی ہے جب بیوی بچے راضی ہوں اور آخرت کب بہتر ہو گی؟ جب ماں باپ راضی ہو گئے۔ یہ زندگی چار دن کا میلہ ہے اور کچھ نہیں، بس آپ ذرا آرام سے گزار جاؤ۔ یہ عام آدمی کی بات ہے کہ تم پیسے جمع کرو اور سال کے بعد زکوٰة دے دو۔ اور جو یہ بات بتانے والے ہوتے ہیں وہ کبھی صاحبِ زکوٰة نہیں ہوئے۔ ان کے پاس جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو فاقے سے گزرتے ہیں، ان کے پاس جب جو پیسہ آیا وہ اللہ کی راہ میں دے دیا، جو چیز آئی، اللہ کی راہ میں وہ دے دی۔ ایک درویش نے دوسرے سے پوچھا کہ صبر کا مقام کیا ہے؟ تو دوسرے درویش نے کہا کہ صبر کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر دے دے تب راضی، نہ دے تب راضی! پہلے درویش نے کہا یہ تو صبر کا مقام کوئی نہ ہوا، یہ تو عام جانوروں میں بھی ہے، اگر اس کو آپ کھانا دے دو، تب راضی ہے اور نہ دو، تب بھی راضی ہے اور اس جانور کا نام ہے کتا۔ تو صبر یہ ہے کہ اگر اللہ نے دے دیا ہے تو تقسیم کر دو اور نہیں دیا تو راضی رہو اور شکر کرو۔ اب یہ مختلف انسانوں کا اللہ سے اپنا تعلق ہے اور اس کے مطابق وہ بات کرتے ہیں۔ تو حاصل ہونے والا جو ہے وہ عطا کرنے والا ہے۔ اب ایک دفعہ ایک بزرگ کے پاس ایک سائل آیا۔

سائل نے سوال کیا کہ کچھ پیسہ چاہئے۔ ان کے پاس ایک تھیلی نیاز میں پیش ہوئی تھی، آپ نے اس کو وہ تھیلی دے دی، تھیلی دینار سے بھری ہوئی تھی مگر وہ بزرگ رونے لگ گئے۔ معتقدین نے پوچھا کہ آپ نے اس کا سوال تو پورا کر دیا، پھر آپ روئے کیوں؟ انہوں نے کہا مجھ سے غفلت ہو گئی، میں ذرا توجہ کرتا تو وہ شخص سوال کی اذیّت سے بچ جاتا۔ تو سخی کا کام یہ ہوتا ہے! اور اس بزرگ کا نام ہے حضرت امام حسن علیہ السلام۔ تو سخی وہ ہے جو سوال سے پہلے جواب دے دے تاکہ سائل کو سوال کی اذیت نہ ہو۔ اور آپ تو دس دفعہ سوال کراتے ہیں اور پھر معذرت کر لیتے ہیں۔ ایک شخص تیسری منزل پر سویا ہوا تھا اور نیچے سے ایک سائل نے گھنٹی بجائی۔ اوپر سے پوچھا کیا بات ہے بھئی! اس فقیر نے کہا بات سنیں، آپ سے کام ہے۔ تو وہ تیسری منزل سے نیچے اترا۔ سائل نے کہا بات یہ ہے کہ اللہ کے نام کا کچھ دو، کوئی چیز دو، میں بھوکا ہوں۔ اس نے کہا میرے ساتھ اوپر چلو، جب اوپر چلے گئے تو سائل سے کہا کہ معاف کر دو۔ اب اس کا مقصد یہ تھا کہ تو نیچے سے سوال کرتا تو میں تجھے وہاں سے جواب دیتا۔ آپ بھی جدھر سے سوال کرو گے تو وہ ادھر سے جواب دے گا۔ تو واقعہ کیا ہے؟ اس کے تعلّق کی بات ہے، اس لئے صبر اور چیز ہے، رضا بھی اور چیز ہے۔ جب تک آپ مکمل طور پر اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تب تک آپ تلاشِ حق کا نام نہ لیں اور جتنی زندگی باقی پڑی ہے اس کو اپنے طریقے سے گزاریں۔ تو راضی رہنے والے جو ہیں یہ کم ہیں بلکہ بہت کم ہیں اور ان کو کم ہی رہنا پڑے گا کیونکہ اس کے فیصلوں پر راضی رہنے

والے بہت کم لوگ ہیں، لوگ یہ راستہ چھوڑ جاتے ہیں، میدان چھوڑ جاتے ہیں، چیخیں مارتے ہیں، فریادیں کرتے ہیں اور بہت شور مچاتے ہیں، تو تلاشِ حق کا مقام بڑا مشکل ہے، اس لئے عام لوگوں سے کہو کہ بس اتنا ٹھیک ہے کہ اللہ راضی رہے اور ہم بھی راضی رہیں۔ جس جلوے کا کوئی متلاشی ہے وہ اسی کا طالب ہو گا۔ تو وہ اللہ سے معافی مانگے اور اللہ اسے کہے گا کہ جا تجھے معاف کر دیا۔ ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس گیا اور کہا مجھے عشق کا درس دیں۔ انہوں نے کہا چلو پھر کبھی سہی، اب تو جانے دو۔ مگر اس نے کہا میں نے ضرور عشق کا درس لینا ہے، دل بے تاب ہے، عشقِ حقیقی مجھے سکھا دیں۔ وہ دس دن وہاں پر رہا۔ گیارھویں دن پیر صاحب نے جب یہ دیکھا کہ یہ بہت شور مچا رہا ہے تو اس کو چپکے سے کچھ پیسے دے دیے۔ اس نے کہا واللہ میرا یہ تو مقصد نہیں تھا، اچھا اگر آپ کہتے ہیں تو میں رکھ لیتا ہوں۔ تو اس شخص کے عشق کا مقصد یہ تھا اور اسے عشقِ حقیقی اتنا تھا کہ چار پیسے اس کو مل جائیں۔ یہ پیسوں کا سفر جو ہے، حاصل کا سفر جو ہے، یہ بڑا خطرناک سفر ہے۔ ایسے آدمی سے اگر اللہ تعالیٰ پوچھے کہ دوزخ میں بھیجوں یا جنت میں؟ تو وہ کہے گا جہاں دو پیسے زیادہ ملیں وہیں بھیج دیں۔ تو اصل چیز اللہ سے تعلق ہے۔ وہ اس وقت راضی ہو گا جب آپ اپنی رضامندی باہر نکال دیں گے۔

رہنا ہے ہر حال میں راضی
مالک سنگ ہے جیون بازی

راضی رہنے والے کا مقام یہ ہے کہ وہ حق طلبی کرے اور وہ نہ بھی ملے تو بھی راضی رہنے والا راضی رہے اور جو ناراض رہنے والا ہے،

ناراض کرنے والا ہے' دنیا کو پریشان کرنے والا ہے اور حاصل کرنے والا ہے' وہ ہر واقفیت کی اور ہر تعلق کی قیمت لگاتا ہے اور اسے پیسوں میں تولتا ہے۔ تو رضا مندی یا رضائے الٰہی کیا ہے؟ اور ظاہری حق تلفی کے باوجود درجات میں اضافہ کیا ہے؟ جب اللہ ساتھ ہو جائے تو طلب کیا ہے اور حق کیا ہے۔ پھر سب اس کی مرضی پہ ہے! حق اگر اپنا جلوہ دکھا دے تو یہی آپ کا حق ہے اور اگر نہ دکھائے تو بھی اسے اپنے لیئے بہتر سمجھیں۔ وہ مرتبہ عطا کر دے' تو حق آپ کا مرتبہ ہے اور اگر مرتبہ نہ عطا کرے تو بھی اس کی مہربانی ہے۔ وہ امیر کردے تو دولت آپ کا حق ہے اور غریب بنا دے تو غریبی آپ کا حق ہے' وہ جو کر دے حق ہے اور جو نہ کرے وہ بھی حق ہے' وطن میں رکھے تو وطن میں رہنا آپ کا حق ہے اور وطن سے باہر نکال دے تو وطن سے باہر رہنا آپ کا حق ہے۔ تو حق وہ ہے جو اللہ کہے اور ناحق وہ ہے جو آپ کہیں۔ اسی لیئے میں نے آپ کو پہلے سے وظیفہ بتایا ہوا ہے کہ الحمد للہ اور استغفر اللہ ملا کے پڑھا کریں۔ استغفر اللہ اس کام پر جو آپ نے کیئے ہیں اور الحمد للہ اس احسان پر جو اللہ نے کیئے ہیں۔ تو آپ کے ساتھ اللہ کا جو سلوک ہے وہ حق ہے اور آپ کا اپنے ساتھ جو کیا ہوا ہے وہ ناحق ہے۔ آپ نے اپنے ساتھ جو ناحق کیا ہے اب اس کو نکال دیں۔ کیسے؟ استغفر اللہ کے ذریعے۔ اور اللہ نے جو توبہ کی مہلت دی ہے' شکر ادا کرنے کی مہلت دی ہے' احسانات کیئے ہیں' مہربانی کی ہے' جس طرح اس نے آپ کو بچایا ہے' اس پر اللہ کا شکر ادا کریں الحمد للہ۔ جو چلا گیا' اس پہ راضی ہو جاؤ اور جو بچ گیا اس کا شکر ادا کرو۔ تو حق کے مسافر

اور حق کے طالب راستے کی دشواریوں کا گلہ نہیں کرتے کیونکہ یہ دشواریاں غیروں کو نظر آتی ہیں اور حق والوں کے لیے یہ دشواریاں نہیں ہوتی ہیں، ان کے لیئے تو یہ راستہ ہے۔ تو یہی وجہ ہے کہ اللہ کے محبوب وہ ہیں جو مصائب میں سے گزرتے ہوئے، بظاہر مصائب میں سے گزرتے ہوئے شکر کے کلمات پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیئے تو وہی حق ہے مثلاً" اگر اللہ انسان کے ساتھ ہو جائے تو پھر آتش کیا اور گلزار کیا۔ جس ذات کی تلاش ہے اگر وہ ذات ساتھ ہو جائے تو خوف نہیں ہوتا۔ دوست اگر ساتھ ہو جائیں تو خوف نہیں آتا۔ اگر غریبی ہو لیکن دوست ساتھ ہو تو غریبی آسانی سے گزر جائے گی۔ اسی لیئے اگر اللہ ساتھ ہو تو پھر غریبی کیا ہے؟ اس سے تعلق جوڑنے کا ایک ہی راز ہے کہ اس کے فیصلوں پر راضی رہنا سیکھو۔ یہ دعا کرو کہ یا رب العالمین اپنے فیصلوں پر راضی رہنے کی توفیق دے۔ تو رضا والے اس سے یہ توفیق مانگتے ہیں۔ اور اس توفیق میں اس شیخ کا ذکر بہت ضروری ہے جو یہ توفیق سکھاتا ہے اگر حالات کل بہتر تھے تو بہت اچھا تھا، اور اگر آج بھی بہتر ہیں تو بہت اچھا ہے، وہ وقت بھی اچھا تھا، یہ وقت بھی اچھا ہے اور جو آئے گا وہ بھی اچھا ہی ہو گا۔ تو اچھا وقت کس کا نام ہے؟ اچھا وقت آپ کا نام ہے، اچھا خیال آپ کا نام ہے وگرنہ وقت نہ اچھا ہوتا ہے اور نہ برا ہوتا ہے۔ یہ صرف آپ کا خیال ہے، قبول کرنے کا نام اچھا ہے اور قبول نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں ہے۔ بعض لوگ حج کرنے جاتے ہیں تو وہ گلہ کرتے ہیں کہ وہاں جا کے یہ یہ تکلیف ہوئی۔ آپ وہاں جا کے یہ کہیں کہ گھر والا جانے کہ وہاں کیا کرنا ہے، ہمیں کیا۔ تو آپ وہاں اپنا کام کریں، وہاں اللہ

کی بارگاہ میں حاضر ہو کے حج کرنے کے دوران ادھر ادھر لوگوں کو دیکھتے رہنا دراصل اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ لوگ جانیں اور لوگوں کا رب جانے، تو تُو اپنے رب کو راضی کر ——— ورنہ ایسا سوچنے سے عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور پھر انسان سوچتا رہ جاتا ہے کہ میرا حق کیا ہے اور دوسرے کا حق کیا ہے۔ تو وہ دوسروں کے حقوق کی بات کرتا ہے مگر اپنے حق کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ تو حق کیا ہے؟ اللہ جو چاہے صرف وہی حق ہے۔

سوال :۔

سر! آپ نے فرمایا ہے کہ آج کل بیعت کچھ کم ہو گئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :۔

جب چیزیں کم ہو جاتی ہیں تو اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اصلی گاہک جب آ جائے تو پھر دکانیں بند ہو جاتی ہیں یا نقلی خریدار آ جائے تو پھر دکانیں بند ہو جاتی ہیں یا دونوں باتیں ہوں۔ اگر اصلی دکاندار آ گئے تو نقلی دکانیں بند ہو جائیں گی۔ اگر سارے کے سارے گاہک اصلی ہو جائیں تو پھر دکانیں بند ہونی شروع ہو جائیں گی ورنہ نقلی کام تو چلتا رہتا ہے۔ اگر بیعت کا شعبہ بند ہو گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے طالب ختم ہو گئے ہیں اور طالبِ زر آ گئے ہیں، طالبِ دنیا آ گئے ہیں، اور اپنی زندگی گزارنے کے طالب آ گئے ہیں اس لئے یہ شعبہ آہستہ آہستہ کمزور ہوتا گیا، یا الگ ہوتا گیا، یا خاموش

ہوتا گیا۔ اب لوگ اس شعبے میں دنیا کی آسودگی کی تلاش کر رہے ہیں۔ مگر جب وہاں سے انسان پریشان ہو کے بھاگے گا اور دنیا سے اس کا دل گھبرائے گا تو یہ اللہ کو تلاش کرے گا' پھر اس کو کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی روشنی نظر آنی شروع ہو جائے گی۔ ایک فرد کی زندگی اور آپ کی زندگی کے اِردگرد اور باقی ساری دنیا میں درویش اور فقیر پھیلے ہوئے ہیں بلکہ اب تو کافروں میں اس طرح کے دعوے پیدا ہو گئے ہیں So Called یعنی نام نہاد درویش اِدھر بھی پیدا ہو گئے جو Reformer کہلاتے ہیں' مصلح کہلاتے ہیں۔ اب تو ہر طرف یہ بات ہو رہی ہے لیکن آپ کی ذات کے اندر بیعت کی تمنا کم ہو گئی۔ اگر آپ فلم دیکھنے والے بن جائیں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ سارے شہر میں فلمیں لگی ہوئی ہیں۔ اور سارا شہر فلم بین ہے۔ اسی طرح تماشہ دیکھنے والا کہے گا کہ ہر جگہ تماشہ ہو رہا ہے' گھر گھر تماشہ لگا ہوا ہے اور ہر شہر میں یہ کاروبار ہو رہا ہے۔ اگر آپ کی تمنا مزاروں کی ہو' تو آپ یہ دیکھیں گے کہ لاہور کے اندر سینکڑوں اچھے آستانے اور مزار مل جائیں گے۔ مزاروں پر جانے والے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کل کہاں گئے تھے؟ کل ہم میاں میر صاحبؒ گئے تھے آج کا دن شاہ جمالؒ جائیں گے' پھر شاہ کمالؒ جائیں گے' داتا صاحبؒ کل جائیں گے'

یعنی ان کے پاس پورے مہینے کا پروگرام ہوتا ہے۔ تو فلم والے کو ہر جگہ فلم مل جائے گی' کھیل کود والے کو ہر جگہ کھیل کود کا موقع مل جائے گا اور مزار پر جانے والے کو ہر جگہ مزار مل جائے گا۔ یہ بات مزاج اور سنگت سے سمجھ آتی ہے۔ سنگت جب تک بیعت والی نہ

ہو آپ کو سمجھ نہیں آتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ آپ کی سنگتیں کمزور ہو گئی ہیں، سنگتیں ٹوٹ گئی ہیں، اس لئے آپ کو وہ جو مقامات نظر نہیں آتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پرانے مقامات اور خانقاہوں پر حالات بدل گئے ہیں۔ جہاں ایک بزرگ بیٹھتے تھے اب وہاں پانچ پانچ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک بزرگ کے پانچ عرس ہوتے ہیں، تو یہ کمال کی بات ہے کہ ایک بزرگ کے پانچ عرس ہوتے ہیں، پانچ دن منائے جاتے ہیں اور الگ الگ دن منائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آستانے پہلے سے زیادہ ہو گئے، بندے زیادہ ہو گئے لیکن آپ کے اندر قبول کرنے کی صلاحیّت کم ہو گئی ہے۔ اگر آپ کے اندر قبول کرنے کی یہ صلاحیّت بڑھ گئی تو سب کچھ خود بخود محسوس ہو گا کہ سب کچھ موجود ہے۔ یہ آپ کا خیال ہے کہ کچھ کم ہو گیا ہے، کم نہیں ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ صرف آپ کے اندر قبول کرنے کی صلاحیت کم ہو گئی ہے۔ ایک تو یہ آپ کی عمر کی وجہ سے کم ہو گئی ہے اور پھر آپ نے غلطی سے یہ فیصلہ کر لیا ہو گا کہ چھوڑو جی سب ایسے ہی ہے، اصل بات اب نہیں رہی۔ ایک آدمی کو بتایا گیا کہ دریا کے کنارے جو کنکریاں ہیں اور سنگریزے ہیں، ان میں کہیں نہ کہیں "پارس" ہے اور یہ پارس جس شے کو لگتا ہے اسے سونا بنا دیتا ہے تو وہ اللہ کا نام لے کے وہاں بیٹھ گیا۔ دریا کے کنارے سنگریزے وہ دیکھتا رہا۔ لوہے کی ایک انگوٹھی ہاتھ میں رکھی اور ایک ایک کنکری اسے لگاتا گیا۔ جس کنکری سے کچھ نہ ہوتا تھا اس کو دور پھینک دیتا تھا کیونکہ وہ تو پتھر تھا۔ وہ یہ کرتا گیا۔ ایک ایک کرتے کرتے وہ اتنا مکینیکل ہو گیا کہ ایک پتھر اٹھایا، لگایا اور پھینکا۔ پھر پتھر اٹھایا لگایا

پھینکا۔ اسی عمل میں وہ پتھر بھی پھینک بیٹھا جس سے لگ کر وہ انگوٹھی سونا ہو گئی تھی۔ تو اب وہ غلطی سے پارس کو بھی دریا میں پھینک چکا تھا۔ یہ انسان کی Reject کرنے کی عادت ہے کہ بعض اوقات جو صحیح مقام ہے اسے بھی Reject کر جاتا ہے، رد کر جاتا ہے۔ جس طرح دروازے پر غلط سائل آتے ہیں کہ اللہ کے نام پر دے بابا! تو انسان کہتا کہ معاف کرو بابا۔ پھر ایک روز اللہ کہے گا کہ میں تیرے پاس آیا تھا اور تو نے مجھے بھی جواب دے دیا، میں نے اپنے نام پہ مانگا تھا تو نے مجھے بھی کہہ دیا کہ معاف کرو۔ تو وہ کہے گا کہ مجھے کیا پتہ تھا کیونکہ میری تو عادت ہی ہو گئی تھی کہ سب کو خالی لوٹا دوں۔ تو آپ کہیں یہ عادت نہ بنا لیں کہ آپ سب کو Reject کرتے جائیں، بھگاتے جائیں بلکہ قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ کوئی مقام، غلط مقام نہیں ہوتا بلکہ ہر مقام صحیح مقام ہے، کیونکہ صحیح آدمی، غلط مقامات سے بھی صحیح منزل پا لے گا۔ شرط یہ ہے کہ آدمی صحیح ہونا چاہئے۔ اگر ایک مسافر اس وادی سے نکلا، اس وادی سے نکلا، اِدھر سے گیا، اُدھر سے گیا، غلط راستے سے گیا، گمراہی سے گیا، بے راہ راستوں سے گیا تو چلتے چلتے وہ منزل پہ کسی نہ کسی طریقے سے پہنچ جائے گا۔ وہاں جب وہ منزل کے کنارے پر ہو گا تو وہاں اس کو ایک صحیح آدمی مل جائے گا جو اسے اٹھا کے اس منزل پر بٹھا دے گا۔ جس کو صحیح منزل مل گئی اس کا سارا راستہ ہی صحیح ہے۔ وہ کامیاب ہے کیونکہ اس کو منزل مل گئی۔ اگر آپ کی بخشش ہو گئی تو ایسے سمجھیں کہ سارے گناہ بھی کامیاب ہو گئے۔ اس لئے آپ آج سے صحیح ہو جائیں۔ ایک آدمی گرو کی تلاش میں کسی کے پاس گیا۔ اس نے اسے ایک شاخ دی

اور کہا کہ یہ زمین میں بو دو اور جو درویش تیرے پاس آئے اس کے چرنوں کو دھونا اور اس دھوون سے اس شاخ کو سیراب کرنا، جب اس شاخ سے پھول نکل آئے تو وہ تمہارا گرو ہو گا۔ یہ اس کی نشانی ہو گی جس سے اسے پہچان لینا۔ تو وہ شخص بہت عرصہ تک یہ عمل کرتا رہا، درویشوں کے پاؤں دھوتا رہا۔ بہت عرصہ بعد ایک سادھو وہاں سے گزرا، اس کی پاؤں دھو کر پانی دیا تو پھول نکل آئے۔ تو اس شخص نے سادھو کے پاؤں پکڑ لئے کہ آپ میرے گرو ہیں مگر اس نے کہا کہ میں تو یہ کام نہیں کرتا۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ کے پاؤں کے دھوون سے یہ پھول نکل آئے ہیں اور یہی آپ کی نشانی ہے۔ تو سادھو نے کہا کہ اس شخص نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں تمہارا گرو ہوں اور میں اب تمہیں گر کی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جتنے لوگوں کے پاؤں تم نے عقیدت کے ساتھ دھوئے ہیں یہ سب اس دھوون کا نتیجہ ہے۔

تو اللہ کی دنیا میں حق تلاش کریں تو ہر چیز ہی حق ہے۔ جو اس نے تخلیق فرمایا ہے، وہ حق ہے بلکہ عین حق ہے۔ لہٰذا سچا آدمی وہی ہے جو ہر طرف سے علم حاصل کرتے کرتے صداقت کے ساتھ اپنی منزل کو پہنچ جائے۔ شرط کیا ہے؟ منزل! ورنہ آپ ایک اور بات دیکھیں کہ ہم سارے کے سارے ایک سچے اور بہت سچے پیغمبرؐ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں مگر ہم سارے تو سچے نہیں ہیں۔ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ صحیح پیر مل جانے کے بعد بھی جھوٹا آدمی جھوٹا رہے، صحیح راستہ مل جانے کے بعد سچا اسلام ملا مگر مسلمان پھر بھی جھوٹا رہا۔ اور سچا ہو جانے والے کو سچ مل جاتا ہے۔ کافروں نے بھی مان لیا کہ حضور ﷺ سچ بول رہے ہیں اور

دین کا یہ راستہ سچا ہے۔ تو جب تک آپ کے اپنے اندر سچ وارد نہ ہو تو راستہ سچا نہیں ہوتا۔ راستہ سچا نہیں ہوتا بلکہ مسافر سچا ہوتا ہے۔ اگر مسافر سچا ہو جائے تو سچ کی منزل مل جاتی ہے ورنہ تو سچ کے راستوں پر بھی جھوٹے لوگ چلنے شروع ہو گئے ہیں اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اور یہی آپ کو گلہ ہے کیونکہ راستہ سچا ہے، مسجدیں سچی ہیں مگر بندہ جھوٹا ہے۔ وہ بندہ بے شک جھوٹا ہو مگر آپ سچے ہو جائیں۔ اگر آپ سچے ہو گئے تو آپ کے لئے سچی منزل سامنے ہے اس لئے آپ گھبرائیں ناں۔ یہ مقامات کم ہو جائیں یا زیادہ ہو جائیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے، گھر گھر میں ایک پیر پیدا ہو جائے تو آپ کو کیا فرق پڑے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ منزل پہ پہنچتے ہیں کہ نہیں۔ آپ کا مسئلہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے کہ آپ منزل پہ پہنچے کہ نہ پہنچے۔ اگر سارا شہر منزل پر پہنچ گیا لیکن ایک شخص رہ گیا تو خیال یہ رکھیں کہ کہیں وہ آپ نہ ہوں۔ آپ کو اپنی منزل کی فکر ہونا چاہئے۔ آپ ایسے ہی تبصرہ نہ کیا کریں۔ اللہ کی اپنی کائنات ہے۔ کیا ساری کی ساری دنیا خدا کو مانتی ہے؟ نہیں مانتی تو گلہ نہ کریں بلکہ آپ یہ دیکھیں کہ آپ مانتے ہیں کہ نہیں۔ اگر مانتے ہیں تو ایسے مانیں کہ جیسے ماننے کا حق ہے اور اللہ کو ایسے چاہیں جیسے چاہنے کا حق ہے اور اللہ کو ایسے تلاش کریں جس طرح کہ تلاش کرنے کا حق ہے۔ بس آپ کا اپنی ذات کے ساتھ تعلق ہونا چاہئے۔ اس کے کاموں پہ تبصرہ نہیں کرنا۔ یہ اس کے راز ہیں اور پتہ نہیں کیا راز ہیں۔ اس سے آسانی ہو جائے گی ورنہ پھر تو بڑی مشکل ہے۔

سوال :-

جنابِ عالی! محبت اور عقیدت میں کیا فرق ہے؟

جواب :-

عقیدت جو ہے اس میں احترام ہوتا ہے عقیدت جو ہے وہ دور کی چیز سے بھی ہو سکتی ہے مثلاً" چاند سے آپ کی عقیدت ہو سکتی ہے مگر محبت میں جنسوں کا برابر ہونا ہوتا ہے محبت جو ہے وہ آپ کو کسی جنس یا چیز سے ہوتی ہے۔ عقیدت کا مقام تھوڑا سا احترام کا ہے اور محبت کا مقام اس سے آگے ہے۔ باپ کو بچے سے محبت ہو سکتی ہے لیکن اس بچے سے' چھوٹے سے بچے سے یعنی پیدا ہونے والے بچے سے عقیدت نہیں ہو سکتی۔ تو یہاں محبت اور عقیدت میں فرق ہے۔ اس فرق کو آپ ضرور دیکھیں۔ شاگرد کی استاد سے محبت عقیدت کہلا سکتی ہے اور استاد کی محبت جو شاگردوں سے ہے یہ عقیدت نہیں کہلاتی' آپ نے یہ فرق نوٹ کیا؟ بس یہ فرق ہے۔ اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ عقیدت نہیں کہلاتی۔

سرمد سگِ تُو' بندہ تُو' عاشق تُو

یعنی اے اللہ! سرمد تیرا سگ بھی ہے' تیرا بندہ بھی ہے اور تیرا عاشق بھی یعنی میں تیرا غلام بھی ہوں اور تیرا چاہنے والا بھی ہوں۔ اللہ کی اپنے بندے سے محبت ہو سکتی ہے۔ جیسے اللہ کی حضور پاک ﷺ سے محبت ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ' اللہ آپؐ سے اتنا پیار فرماتے ہیں' اب آپؐ کو کس بات کا فکر ہے' آپؐ بڑی عبادت کرتے

ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں اس کا شکر ادا نہ کروں کہ اس نے مجھے یہ مرتبے دیئے ہیں۔ تو عقیدت جو ہے وہ ایک اور مقام ہے جہاں پر کوئی محترم ٹھہرے اوز معتبر ٹھہرے۔

اب دعا کریں۔ پہلی دعا تو یہ ہونی چاہئے کہ آپ کو آپ کی زندگی میں اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے غلط اعمال سے دل سے ہی توبہ کرنی چاہئے! یا رب العالمین ہم نے اپنے ہاتھ سے جو غلطی کی ہے اس کے لئے ہماری طرف سے توبہ قبول فرما! ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور ہم ان غلطیوں کی توبہ کر رہے ہیں! ہمیں اپنے فیصلوں پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرما! یا رب العالمین ہمیں آسودہ بھی رکھ، ہم پر مہربانی فرما، ہمیں دین دنیا کی فلاح عطا فرما، انفرادی طور پر، اور قومی سطح پر اور ملّتِ اسلامیہ پر بھی اپنا رحم فرما تاکہ یہ ملّتِ اسلامیہ تیرے نام کے حوالے سے دنیا میں کامیابی کی کوئی کاروائی کرے! اس قوم پر بھی رحم فرما اور ہماری ذاتی حالت پر بھی رحم فرما! یا رب العالمین رحم فرما! ہمیں اسلام میں رہنے کی توفیق عطا فرما اور اس میں خوش رہنے کی توفیق عطا فرما! حق والوں کو حق عطا فرما اور کوئی محروم نہ ہو! یا رب العالمین جو تیرے چاہنے والے ہیں ان کو سرفرازی عطا فرما تاکہ یہ اپنی سرفرازی پہ ناز بھی کریں اور خوش بھی ہو جائیں اور جو تجھے نہ چاہنے والے ہوں ان کو تو معزول فرما! اپنوں کو مرتبے عطا فرما! مہربانی فرما! یا رب العالمین سب پر رحم فرما!

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سید نا و مولٰینا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

علم

☆ اپنی لاعلمی کے احساس کا نام علم ہے۔

☆ ہم معلوم کو علم کہتے ہیں حالانکہ نامعلوم اور لامعلوم بھی علم ہے۔

☆ علم بادِ صبح گاہی اور آہِ سحر گاہی سے ملتا ہے۔

☆ کتاب کا علم فیضِ نظر تک نہیں پہنچا سکتا' تزکیہ کے بغیر کتاب کا علم خطرے سے خالی نہیں۔

☆ ہر عارف عالم ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ ہر عالم عارف بھی ہو۔

☆ ضرورت کا علم اور شئے ہے اور علم کی ضرورت اور شئے ہے۔

☆ علم کا مخرج نگاہ ہے اور اس کا مدفن کتاب ہے۔

☆ لاعلمی سے بے علمی بہتر ہے۔

☆ آج کی تعلیم کا المیہ یہ ہے کہ یہ تلاشِ روزگار کے لیۓ ہے اور تقرّبِ پروردگار کے لیۓ نہیں۔

☆ وہ علم نور ہے جس سے اللہ کی پہچان ہو اور جس علم سے غرور پیدا ہو وہ حجابِ اکبر ہے۔

☆ زیادہ علم جاننے کا غرور اگر نہ جاننے کی عاجزی میں بدل جائے تو حجاب اٹھ جاتا ہے۔

☆ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کوئی عطا کرنے والا نہ ہو کیونکہ اصل علم اللہ والے کی نگاہ سے ملتا ہے کتاب سے نہیں۔

(واصف علی واصفؒ)

محبت

☆ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے۔

☆ محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ عطا ہے اور نصیب ہے۔

☆ ہم جس کے ہمہ وقت قریب رہنا چاہتے ہیں وہی محبوب ہے۔

☆ محب کو محبوب میں کجی یا خامی نظر نہیں آتی، اگر نظر آئے بھی تو محسوس نہیں ہوتی اور محسوس ہو بھی تو ناگوار نہیں گزرتی۔

☆ ہم جس ذات کی بقاء کے لیۓ اپنی ذات کی فنا تک بھی گوارا کرتے ہیں، وہی محبوب ہے۔

☆ محبت اشتہائے نفس اور تسکینِ وجود کا نام نہیں بلکہ محبت دو روحوں کی نہ ختم ہونے والی باہمی پرواز ہے۔

☆ آج کا انسان دور کے سیٹلائٹ سے پیغام وصول کرنے میں مصروف ہے لیکن وہ قریب سے گزرنے والے چہرے کے پیغام کو وصول نہیں کر سکتا۔ انسان محبت کی سائنس سمجھنا چاہتا ہے اور یہ ممکن نہیں۔

☆ زندگی صرف نیوٹن ہی نہیں زندگی ملٹن بھی ہے۔

☆ محبت ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان اپنی اصل شکل، باطنی شکل اور حقیقی شکل دیکھتا ہے۔

☆ محبوب کا فراق بینائی چھین لیتا ہے اور محبوب کی قمیض کی خوشبو سے بینائی واپس آتی ہے۔

☆ عقیدوں اور نظریات سے محبت نہیں ہو سکتی، محبت انسان سے ہوتی ہے۔ اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ ہو تو خدا سے یا اسلام سے محبت نہیں ہو سکتی۔

(واصف علی واصفؒ)

خاموشی

☆ ہم اگر زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔

☆ زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہوتا ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔

☆ آواز انسان کو دوسروں سے متعلق کرتی ہے اور خاموشی انسان کو اپنے آپ سے تعارف کراتی ہے۔

☆ زندگی سراپا اور سربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے اور اگر خاموش نہ ہو تو راز نہیں رہتا۔

☆ باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، من کی دنیا کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشمِ بینا کا سفر، حق بینی کا سفر اور حق یابی کا سفر خاموشی کا سفر ہے۔

☆ خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔

☆ انسان بولتا رہتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا کیونکہ خاموشی میں اسے اپنے رُوبرو ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے رُوبرو نہیں ہونا چاہتا۔

☆ انسان کے قبل از پیدائش زمانے خاموشی کے زمانے ہیں اور مابعد بھی خاموشی ہے۔

☆ انسان کا اصل ساتھی اس کا باطن ہے اور یہ خاموش ساتھی خاموشی سے ملتا ہے۔ کاش ہم کبھی خاموشی کے ساتھ اپنے رُوبرو ہوتے۔

(واصف علی واصفؒ)

تصانیف: واصف علی واصفؒ

1-	کرن کرن سورج	(نثر پارے)	100
2-	دل دریا سمندر	(مضامین)	140
3-	قطرہ قطرہ قلزم	(مضامین)	140
4-	شب چراغ	(اردو شاعری)	150
5-	The Beaming Saul		150
6-	بھرے بھڑولے	(پنجابی شاعری)	100
7-	حرف حرف حقیقت	(مضامین)	140
8-	شب راز	(اردو شاعری)	100
9-	بات سے بات	(نثر پارے)	100
10-	گمنام ادیب	(خطوط)	135
11-	گفتگو 1	(سوال جواب)	145
12-	گفتگو 2	(سوال جواب)	165
13-	گفتگو 3	(سوال جواب)	175
14-	گفتگو 4	(سوال جواب)	175
15-	گفتگو 5	(سوال جواب)	175
16-	گفتگو 6	(سوال جواب)	170
17-	گفتگو 7	(سوال جواب)	160
18-	گفتگو 8	(سوال جواب)	160
19-	گفتگو 9	(سوال جواب)	170
20-	گفتگو 10	(سوال جواب)	180

ادارے کی دیگر تصانیف

21-	واصف باصفا	(ڈاکٹر مخدوم محمد حسین)	170
22-	واصف واصف	(ڈاکٹر مخدوم محمد حسین)	160
23-	مکالمہ	(ڈاکٹر مخدوم محمد حسین)	170

کاشف پبلی کیشنز

A/301 جوہر ٹاؤن لاہور

واصف علی واصفؔ